بیوگی کا سفر

eBook

بیوگی کا سفر

سیدنا صُہیبؓ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، اِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَ لَيْسَ

ذٰلِكَ لِأَحَدٍ اِلاَّ لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ

فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ

”مومن کا معاملہ عجیب ہے، بے شک اس کے لیے ہر معاملے میں خیر ہے اور یہ

مومن کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے

جو اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے

جو اس کے لیے بہتر ہے۔“

(صحیح مسلم)

04010048

پبلی کیشنز

AL HUDA PUBLICATIONS

بیوگی کا سفر

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پبلی کیشنز
AL HUDA PUBLICATIONS

نام کتاب .... بیوگی کا سفر

تالیف .... امّ عثمان

ناشر .... الہدیٰ پبلی کیشنز

ایڈیشن .... اوّل

تعداد 5000

ISBN 978-969-8665-16-0

تاریخ اشاعت .... مارچ 2010ء

ربیع الاوّل 1431ھ

ملنے کے پتے

اسلام آباد: 7-اے کے بروہی روڈ H-11/4 اسلام آباد پاکستان

فون: +92-51-4866130-1 +92-51-4866125 9

Email: salesoffice.isb@alhudapk.com

www.alhudapk.com www.farhathashmi.com

کراچی: 30-اے سندھی مسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، پاکستان

فون: +92-21-34528548 +92-21-34528547

امریکہ: PO Box 2256 Keller, TX 762 44

Ph: (817)-285-9450 (480)-234-8918

Email: alhudaonlinebooks@ymail.com

کینیڈا: 5671 McAdam Rd Mississauga Ontario L4Z IN9 Canada

Ph:(905)-624-2030 (647)-869-6679

www.alhudainstitute.ca

اس کتاب کو الھدیٰ انٹرنیشنل کی اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○

(یوسف : 67)

”اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر
بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔“

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

فہرست مضامین

حصہ اوّل

1	شوہر کی وفات	6
2	صدمے پر صبر	22
3	عدت کیا ہے؟	31
4	بیوہ والدہ	47
5	حاملہ کی عدت	66
6	بیوہ حاملہ کا نفقہ	68
7	گمشدہ شخص کی بیوی کی عدت	73
8	زچہ بچہ کے اخراجات	69
9	شوہر کی جدائی اور یتیم اولاد	79
10	یتیم بچے کی سرپرستی (حضانت) کا معاملہ	83
11	تبنیت	104
12	دارالیتمٰی	110
13	ربیبہ	112
14	نکاح کے لیے حرام رشتوں سے متعلق آیات	115

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حصہ دوم

15	بیوہ کا نکاحِ ثانی	120
16	بیواؤں کی خدمت کرنے والوں کے لیے بشارت	133
17	بیوہ کے لیے پیغامِ نکاح	135
18	نکاح کے لیے ضروری ارکان	141
19	نکاح میں ہدیہ	156
20	کثرت ازواج اور ازدواجی زندگی	163
21	کامیابی کے لیے مشترکہ کوشش	181
22	خانگی اصلاحات	184
23	دعائیں	197
24	صبر پر مدد کے لیے قرآنی آیات اور دعائیں	199
25	رنج وغم، بے چینی اور بے قراری دور کرنے کے لیے	201
26	گم شدہ کی بازیابی اور اللہ کی خاطر مساکین سے محبت کے لیے	203
27	دعائے استخارہ	204
28	کتابیات	205
29	آخری خطبہ	207

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ابتدائیہ

تقدیر کا اچھا یا برا ہونا اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے، کسی انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ نہ صرف ہم خود اس پر مکمل یقین رکھیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی بچپن ہی سے قدرت کے اس اٹل قانون سے روشناس کرائیں :

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (التوبة : 51)

''ان سے کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی (بھلائی یا برائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ وہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے''

لہٰذا ہر مسلمان کے ایمان وعقیدہ کا یہ حصہ ہونا چاہیے کہ:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (التغابن : 11)

''جو مصیبت بھی آتی ہے، اللہ کے حکم ہی سے آتی ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اللہ کو ہر چیز کا علم ہے''

ہمیں پیدا کرنے والا، پالنے والا اور ہماری ضروریات پوری کرنے والا بھی وہی اور ہماری خواہشات، ارادوں اور چاہتوں کا جاننے والا بھی وہی ہے لہٰذا ہمیں ہر دم اس بات کی تیاری کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ اسی کی طرف سے مقدر کیے گئے کسی بھی قسم کے جانی و مالی

نقصان کی کوئی صورت ہمارے لئے ایسی آزمائش نہ بن جائے جو ہمارے لیے دنیا وآخرت میں خسارے کا باعث ہو بلکہ ایسے مواقع پر احسن عمل ہی ہمارا ساتھ دے۔

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا .... ﴾ (الملك : 2)

''وہ ذات جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے''

انسان کے لئے نہ زندگی لافانی ہے اور نہ موت، البتہ اس دنیا میں جسے زندگی ملی اسے موت بھی ایک نہ ایک دن آنی ہی ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ.... ﴾ (الانبياء : 35)

''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے''

اِس کتاب میں کسی خاتون کے لیے آزمائش کے جس دور سے گزرنے کا تذکرہ ہوا ہے اُسے ''بیوگی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بیوہ کو شوہر کی وفات کے سانحہ پر خود کو، اپنے بچوں کو اور دیگر قرابت داروں کو کیسے سنبھالنا ہے؟ اِس غم سے کیسے نکلنا ہے؟ نیز آئندہ وقت میں پیش آنے والے کون سے حالات وواقعات ہیں جن میں اسے تلقین اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہی اس کتاب کا خاص مقصد وموضوع ہے۔

یہ تمام رہنمائی قرآنی آیات، احادیثِ رسول ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی کے علاوہ صحابیاتؓ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی عملی مثالوں سے حاصل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں عربی ادب سے ہلکا سا روشناس کرانے کی کوشش میں کہیں کہیں موضوع کی مناسبت سے عربی مقولے اور محاورات کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کتاب کے ابتدائی موضوعات مثلاً جنازہ، تعزیت، بیوہ کی طرف سے گھر کے ماحول کو معمول پر لانے اور نئی ذمہ داریوں کے لیے خود کو تیار کرنے سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ عدّت جو شوہر کی وفات ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے، کے احکامات اور قواعد و ضوابط کا بھی تذکرہ ہے۔

تعزیت کرنے والوں کے کیا فرائض ہیں؟ بیوہ کو اس کے فرائض کی نشاندہی کرانے کے علاوہ بیوہ کی بالغ خودمختار اور برسرِ روزگار اولاد کے کیا فرائض ہیں؟ بیوہ کے سسرال والوں کے فرائض ان کا طرزِ عمل اور رویّہ وغیرہ کیسا ہونا چاہیے؟ یہ سب موضوعات اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔

بیوہ کے حقوق خصوصاً نکاحِ ثانی اور اس کی ضرورت و اہمیت اور یتیم کی سرپرستی جیسے معاملات بھی ہمارے معاشرے میں بے توجہی کا شکار رہے ہیں، ان سے آگہی کو ضروری سمجھتے ہوئے بھی کچھ تحریری کوشش کی ہے۔ تعدّدِ ازواج (ایک سے زیادہ نکاح) جیسے حساس معاشرتی پہلو کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے نیز اس کی کامیابی کی ضمانت کے طور پر براہ راست نبی معظم ﷺ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کی مثالوں سے استفادہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

دراصل دینی احکامات سے، جن کا تعلق عقائد و عبادات کے علاوہ معاملات و اخلاقیات سے بھی ہے، روشناس ہونا عورت کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ اس لیے ہر مسلمان خاتون کے لیے قرآن کے ساتھ ساتھ مطالعۂ تاریخِ اسلام خصوصاً سیرت النبی ﷺ اور امہات المومنینؓ سمیت صحابیاتؓ اور صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی جاننا بہت ضروری ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں خواتین کی سوچ میں وسعت، نفس میں تزکیہ اور دل میں فضائل کی محبت اجاگر ہو، جس کے نتیجے میں نہ صرف ان کی زندگی پرسکون گزرے بلکہ ان کی آخرت بھی سنور جائے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی توفیق سے اور اس کے ہاں سے اجر کی امید و طلب میں اس کتاب کی تیاری کی سلسلے میں جو محنت کی گئی، دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص سے اسے قبول فرمائے اور اس کتاب کی تالیف و تکمیل کے سلسلے میں تعاون اور حوصلہ افزائی کرنے والے تمام خیرخواہوں کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

خصوصاً اسے میری معزز و محترم استاذہ ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ اور دیگر تمام اساتذہ کرام، میرے پیارے والدین، خیرخواہ قرابت داروں اور میرے لیے بہترین توشۂ آخرت بنادے، آمین۔

آپ کے مشوروں اور دعاؤں کی طالب

اُمِّ عثمان

(جنوری 2010ء، محرم الحرام 1431ھ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حصّہ اوّل

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

شوہر کی وفات

عورت کے لیے شوہر کی وفات ، ایک ایسا جانکاہ حادثہ ہے جو اس کی اپنی ذات ، اولاد کی پرورش و پرداخت ، امورِ خانہ داری غرضیکہ تمام انتظاماتِ زندگی کو متاثر کر کے رکھ دیتا ہے۔

وفات خواہ ناگہانی ہو یا لمبی بیماری کے بعد، انسانی دل و دماغ اس واقعہ کو آسانی سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے ۔ بسا اوقات یہ المیہ گہرے صدمے کی صورت اختیار کر کے ایک اور ناگہانی آفت کا سبب بن جاتا ہے۔ درست عقیدہ راسخ نہ ہو اور جذبات پر عبور نہ ہو تو یہ غم واندوہ ہوش وحواس کو اس حد تک متاثر کر دیتا ہے کہ:

- زبان سے ناپسندیدہ الفاظ حتیٰ کہ کفریہ کلمات نکلنے لگتے ہیں،
- حزن وملال کی شدت کم ہونے کی بجائے دن بدن زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے،
- گھر، گھرداری، اہلِ خانہ (جس میں بچے، بزرگ سب شامل ہیں) اور عزیز واقارب سے بیزاری ہونے لگتی ہے،
- طبیعت پر ہر وقت بے چینی کی سی کیفیت طاری رہتی ہے،
- کسی کام میں دل نہیں لگتا۔

اس تمام اندوہناک صورتحال سے کیسے نکلا جائے؟ زندگی کو پھر سے کیسے معمول پر لایا جائے؟ اس ماحول سے متاثر بچے جو والد کی جدائی کے بعد اب والدہ کی شفقت اور مہربانیوں سے بھی محروم ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکر اپنی اُداسیوں اور ویرانیوں سے چھٹکارا حاصل کریں؟

دینِ اسلام واحد دین ہے جو اس موقع پر بھی ان تمام مشکلات کا مکمل حل اور علاج پیش کرتا ہے۔ راہنمائی کے طور پر ترتیب وار کچھ مندرجات پیشِ خدمت ہیں جو بیوہ خاتون کے لیے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

"صدمے کی پہلی چوٹ پر صبر" سے لے کر آئندہ زندگی تک ان شاءاللہ مفید و مددگار ثابت ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب بیوہ تک پہنچانے سے قبل چند ابتدائی مراحل گزر چکے ہوں' تاہم پھر بھی ضروری ہے کہ وہ ان معاملات کے بارے میں مکمل علم و آگہی حاصل کرے تاکہ اگر وہ کبھی اپنے ارد گرد کسی کو ایسے ہی حالات سے دوچار پائے، جن سے وہ گزری ہے اور اسے اس کی رہنمائی کی ضرورت ہو تو اتنی سوجھ بوجھ اور معلومات ہوں کہ کسی کو اس راہنمائی سے مستفید کرسکے۔

بیوہ کے لیے رہنمائی

رضائے الٰہی

سب سے پہلے اپنے اعصاب پر قابو رکھ کر شعور کے ساتھ یہ سوچیں کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس پر کسی کا اختیار نہیں، یہ صرف مشیتِ الٰہی سے ہوا ہے۔ جس طرح ہم اللہ کی مرضی سے اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، ویسے ہی اس کی مرضی سے واپس بلا لیے جاتے ہیں۔

کامل یقین

پورے یقین اور سمجھ کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لیں۔

(بار، بار بھی پڑھ سکتے ہیں)

اس موقع کا سب سے ابتدائی اور اہم کام خود کو صبر کیلئے تیار کرنا ہے۔ یہی اس امتحان میں پورا اترنے کی بنیادی ضرورت ہے۔ (تفصیلات کے لئے صفحہ 22 ملاحظہ کیجئے)

ضروری ابتدائی امور

چیخنے چلاّنے کی بجائے سکون اور حوصلہ سے کام لیں اور پھر ضروری ابتدائی امور سرانجام دینے پر توجہ دیں مثلاً:

- میت کی کھلی آنکھیں بند کردیں اور اس موقع کی مسنون دعا پڑھ لیں۔ اگر عربی میں یاد نہ رہے تو اپنی زبان میں اس کا مفہوم دہرالیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ. (صحیح مسلم، کتاب الجنائز)

"اے اللہ! اس (میت) کو بخش دینا اور اس کے درجے ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند فرما دینا، اس کے بعد اس کے پسماندگان کی حفاظت فرمانا۔ یارب العالمین! ہمیں بھی بخش دینا اور اسے بھی اور اس کی قبر کشادہ کردینا اور اسے نور سے بھر دینا۔" (دعا میں لَهٗ کی جگہ میت کا نام لیا جائے)

- اب میت کے ہاتھ پاؤں سیدھے کردیں، بازو پہلوؤں کے ساتھ ملادیں،
- منہ کھلا ہے تو کپڑے کی ایک چوڑی پٹی ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر باندھ دیں،
- دونوں پاؤں بھی برابر ملا کر پٹی سے باندھ دیں،
- سر کے نیچے سے تکیہ نکال دیں،
- میت کو کسی چادر وغیرہ سے ڈھانپ دیں۔

اعلان نہیں اطلاع

اپنے خاندان کے کسی بھی ایک سرکردہ اور ذمہ دار فرد کو اطلاع کردیں، وہ آپ کے تمام عزیز و اقارب کو مطلع کرنے میں مدد کردے گا۔

اللہ سے مدد درکار ہے

...اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ...

(البقرۃ: 153)

"مدد مانگو (اللہ سے) صبر اور نماز کے ساتھ"

احادیث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو مصیبت کے وقت گالوں کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی بات پکارے گا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب الایمان: 0184۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث: 382)

ایک اور روایت میں ہے، فرمایا:

"رونے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی اور اس پر ایک تارکول اور خارش کا کرتہ ہوگا۔ یعنی ایسا روغن لگا دیا جائے گا جس سے آگ جلدی بھڑک کر جلائے گی اور بدن کی کھال پر خارش کا عذاب مسلّط ہوگا جس سے وہ اپنے بدن کو نوچے گی۔" (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، حدیث: 2033)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ اور آپ کے دیگر اہل خانہ وضو کر کے کم از کم دو رکعت نماز نفل ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں کہ وہ آپ سب کو یہ صبر آزما وقت کامیابی کے ساتھ گزارنے کی ہمت دیں اور اس پر آپ کو اجر اور مرحوم کو مغفرت عطا فرمائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ توفیق بھی مانگیں کہ اللہ آپ سب سے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے تمام مراحل بدعات سے پاک اور مسنون طریقے سے طے کرا دیں۔

> زمانۂ جاہلیت میں کسی کی وفات پر کچھ لوگ مقرر کر لیے جاتے تھے، جو نوحہ و بین کے ساتھ ارد گرد کے علاقوں میں وفات کا اعلان کرتے۔ اس طریقے سے موت کی اطلاع یا اعلان کو 'نعی' کہا جاتا تھا۔ اس (نعی) سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ (بحوالہ مسند احمد، ج:5، ص: 406
> بحوالہ جامع ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث: 986)

وصیت نامہ پڑھ لیا جائے

اگلا فوری توجہ طلب فریضہ یہ ہے کہ مرحوم شوہر کا چھوڑا ہوا وصیت نامہ (کوئی ہے تو) پڑھ لیا جائے۔ ہو سکتا ہے مرحوم نے کوئی ایسی وصیت کر رکھی ہو جس کا فی الفور پورا کرنا ضروری ہو مثلاً اس نے غسل و تکفین یا قبر میں اتارے جانے کے مواقع پر اپنے کسی دیندار دوست یا کسی خاص بھائی سے مدد کی درخواست کی ہو تو وہ بروقت معلوم ہو جائے اور اس پر عمل کیا جا سکے۔

مقروض شوہر کے قرض کی ادائیگی

اگر بیوہ جانتی ہو کہ اس کا شوہر کسی کا مقروض تھا تو کوشش کرے کہ جنازہ اٹھنے سے پہلے پہلے اس کی ادائیگی کا انتظام ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ مقروض میت کے قرض کی ادائیگی تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، البتہ کوئی بخوشی اس میت کی طرف سے قرض ادا کرنے کی حامی بھر لیتا تو پھر نمازِ جنازہ پڑھ لیتے۔

آپؐ نے فرمایا، ''مومن کی روح قرض کی ادائیگی تک قرض کے ساتھ معلّق رہتی ہے۔''
(جامع ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث: 1078)

شہادت جیسا رتبہ حاصل کرنے والے کو بھی اس سے بری الذّمہ قرار نہیں دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جو شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے، تو قرض کے سوا اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

اسی طرح اگر کوئی قرض خواہ، مقروض کی کمزور مالی حالت کو دیکھتے ہوئے اس کا قرض معاف کر دے یا اسے مہلت دے دے تو اس کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ:

''جس شخص کو یہ بھلا معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز کی سختیوں سے نجات دے دیں تو اسے چاہیے کہ نادار (قرضدار) کو مہلت دے یا اس کو (قرض) معاف کر دے۔''
(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، حدیث: 4000)

سمجھدار بیوہ اور بدعات سے پرہیز

اس موقع پر خاندان کے کچھ افراد غیر شرعی رسومات ادا کرتے نظر آئیں تو انہیں اس سے بچنے کی تلقین کرے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی اس کوشش سے وہ نہ صرف ایسا کرنے سے گریز کریں بلکہ آنے والے دنوں میں خصوصی اجتماعات کے اہتمام کرنے یا اس کی توقع کرنے سے بھی پرہیز کریں، جو کہ سراسر بدعات ہیں اور بدعتی کے لیے دین میں سخت وعید آئی ہے۔

دیندار بیوہ کے لیے خصوصاً وہ وقت نہایت کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے جب سسرال اور میکہ، پڑوسیوں اور سہیلیوں وغیرہ کے اپنے اپنے خاندانی اور روایتی رسم و رواج کے مطابق مشوروں کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ بظاہر یہ سب کچھ خیر خواہی اور غمگساری میں چل رہا ہوتا ہے مگر حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی بھی فرد کے لیے یہ ایک پریشان کن معاملہ بن جاتا ہے، علاوہ ازیں ان ہمدردوں کے غیر شرعی مشوروں اور تجاویز کی عملی خلاف ورزی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی متوقع ناراضگی اور پھر مستقبل میں ان کی طرف سے ہمدردی اور خیر خواہی سے دست برداری کا اندیشہ، غم و اندوہ کے اس موقع پر مزید ہمت توڑ دینے کا باعث بن سکتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نوحہ سے بچنے کی تنبیہ

اسلامی شریعت میں ایسے موقع پر نوحہ یا بین کی شکل میں گریہ وزاری یا اسی قسم کے اور جاہلانہ طرزِ عمل کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں میں دو ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو کفر کے برابر ہیں:

(1) نسب کا طعنہ دینا (2) میت پر نوحہ کرنا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 227)

ایک اور موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا یا جاہلیت کی باتیں کیں، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث: 1297)

نوحہ خوانی جیسی خرابیاں اور بُری رسومات مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ وہ غمزدہ نظر آنے کے لیے بے شمار جاہلانہ حرکتیں کرتی نظر آتی ہیں۔

سیّدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس زیدؓ بن حارثہ، ابنِ رواحہؓ، اور جعفرؓ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو آپؐ غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔ میں دروازے کی دراڑ سے دیکھ رہی تھی کہ ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور جعفرؓ کے گھر کی عورتوں کے رونے کا ذکر کیا، آپؐ نے حکم دیا کہ انہیں گریہ وزاری سے منع کرو۔ چنانچہ وہ گیا اور اس نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ نہیں مانتیں' تو آپؐ نے دوبارہ فرمایا کہ ''انہیں منع کرو۔'' وہ پھر آیا اور بتایا کہ وہ نہیں مانتیں۔ آپؐ نے پھر یہی فرمایا کہ ''انہیں منع کرو۔'' تب وہ تیسری مرتبہ واپس آ کر کہنے لگا، 'یا رسول اللہ! قسم اللہ کی وہ تو ہم پر غالب آ گئیں اور نہیں مانتیں'۔ سیّدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جاؤ اور ان کے منہ میں خاک جھونک دو'۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث: 1305)

صحابہ کرامؓ بھی اس حوالے سے بہت زیادہ محتاط تھے۔

سیدنا ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو ان کی بہن اُم فروہ جاہلیت کی طرح نوحہ کرنے لگیں۔ سیدنا عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ہشام کو حکم دیا کہ انہیں گھر سے نکال دیں۔ (صحیح بخاری، کتاب فی الخصومات)

منہ دیکھنے پر اعتراض

میت کا منہ دیکھنے کے معاملہ میں بعض گھرانوں میں بیوہ خاتون کے لیے بڑی متضاد صورتحال نظر آتی ہے۔ بیوہ کو یہ کہہ کر میت کا منہ دیکھنے سے منع کر دیا جاتا ہے کہ شوہر کے ساتھ اس کا نکاح اس کی وفات کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے لہٰذا وہ اب اس کے لیے نامحرم ہے جبکہ دوسری طرف یہ انتہا نظر آتی ہے کہ مرد میت کو خواتین کے عین درمیان میں رکھ دیا جاتا ہے، جہاں بہت سی ایسی نامحرم خواتین بھی موجود ہوتی ہیں جنہوں نے زندگی بھر اسے دیکھا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ مرد حضرات جب میت کا آخری دیدار کرنے کو آتے جاتے ہیں تو یہاں بیٹھی بہت سی پردہ دار خواتین کے لیے بھی مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔

مرد میت کے جنازہ کے لیے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تعزیت کے لیے آنے والی خواتین کچھ دیر گھر کی خواتین کے پاس بیٹھنے کے بعد الگ کمرے میں بیٹھ جائیں۔ اسی طرح نامحرم مُعزّین (تعزیت کرنے والوں) کی آمد پر گھر کی خواتین الگ ہو جائیں۔ روانگیٔ جنازہ کے وقت خواتین کو جذباتی طور پر سنبھل کر رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ میت کا آخری دیدار کرتے وقت زیادہ گریہ وزاری کی وجہ سے حیا کی حدود اور نوحہ و بین کے ممنوعہ احکامات کی پامالی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کی میت کو غسل دے سکتے ہیں

بہت سے فقہاء کرام کے نزدیک شوہر یا بیوی دونوں میں سے کوئی ایک وفات کے بعد دوسرے کے لیے نامحرم نہیں ہو جاتا، کہ اس کا چہرہ تک نہ دیکھ سکے۔ اس کی دلیل اس حدیث سے ملتی ہے۔

سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بقیع سے ایک جنازہ پڑھ کر میرے ہاں تشریف لائے۔ میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی، 'ہائے میرا سر'۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''نہیں بلکہ میرا سر، اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو جاؤ تو میں خود تمہیں غسل دوں، خود تمہیں کفن پہناؤں اور خود تمہاری نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروں۔'' (مسند احمد، 228/6)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سیدنا ابوبکرؓ کا اپنی اہلیہ اسمؓا کو اور سیدنا علیؓ کا سیدہ فاطمہؓ کو غسل دینا احادیث سے ثابت ہے۔

اسی طرح بوقتِ ضرورت یا بحالتِ مجبوری بیوی بھی شوہر کی میت کو غسل دے سکتی ہے حتیٰ کہ وہ عورت جس کو طلاقِ رجعی دی گئی اور ابھی عدت میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا، وہ بھی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے البتہ طلاقِ بائن والی عدت میں ہو تو غسل نہیں دے سکتی۔ (بحوالہ عالمگیری درمختار)

معافی تلافی

ناگہانی اور اچانک وفات انسان کو حقوق العباد کی معافی تلافی کے لیے مہلت نہیں دے پاتی، بہرحال بیوہ کو چاہیے کہ خود بھی زندگی بھر کی کمی کوتاہیوں اور بشری کمزوریوں پر مرحوم کو تہہ دل سے معاف کر دے اور جنازہ کے موقع پر کسی مرد سے اونچی آواز میں کہلوا بھی دے کہ میت کی طرف سے زندگی میں کسی کے حق میں کوئی زیادتی یا لین دین اور دیگر معاملات میں کوئی شکوہ شکایت رہی ہو تو آج اللہ کی خاطر وہ اسے معاف کر دے۔ یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فوت شدہ لوگوں کو بُرا بھلا نہ کہا کرو، جو اعمال انہوں نے آگے بھیجے تھے، ان تک وہ پہنچ چکے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث:476)

احتیاط و لحاظ

جنازہ اٹھتے وقت خاندان کے افراد کے علاوہ دیگر نامحرم سوگواران کا بھی ہجوم ہوتا ہے۔ اس وقت غم کی شدت میں بیوہ کو اپنے ہوش و حواس کے ساتھ حیا اور وقار کا لحاظ رکھنے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ ساتھ ہی احتیاط لازم ہے کہ زبان سے بھی اس وقت کوئی ایسی ویسی بات نہ نکل جائے جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو۔ نیز شوہر کی وفات کے ساتھ ہی اس کی عدت شروع ہو چکی ہے جس سے متعلق قرآن و سنت کے احکامات اسے مزید محتاط رویّہ اختیار رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ غرض اس وقت یہ سمجھدار بیوہ تدبّر اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی مستحق

بن سکتی ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی قابلِ تقلید نمونہ و مثال چھوڑ سکتی ہے۔

تدفین کے لیے روانگی اور سپردگیٔ خاک کا وقت

- گھر سے جنازہ کی روانگی کے وقت خصوصی دعائیں کی جائیں،
- جنازہ کی روانگی کے بعد عموماً گھر میں موجود خواتین باتوں سے بیوہ اور دیگر اہل خانہ کو تسلی، دل جوئی، اور بہلاوے میں لگائے رکھتی ہیں مگر اس وقت زیادہ ضروری یہ ہے کہ قبرستان تک جانے کے وقت سے لے کر دفنانے کا وقت مکمل ہونے تک کا اندازہ اور تصور کر کے قبر میں میت کے سوال جواب پر ثابت قدمی کے لیے دعائیں کی جائیں، مثلاً:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (بحوالہ سنن ابی داؤد)

''اے اللہ! اسے قول ثابت پر ثابت قدم رکھنا۔''

(قول ثابت سے مراد اللہ کو رب، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو آخری نبی ماننا اور کتاب اللہ پر ایمان لا کر اس کی تصدیق کرنا ہے)

رسول اللہ ﷺ تدفین کے بعد کچھ دیر وہیں رُکتے اور میت کے لیے استغفار اور قبر میں منکر نکیر کے سوالات پر اس کی ثابت قدمی کی دعا خود بھی کرتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

اسی طرح میت کے گھر میں دین کی سمجھ رکھنے والی کسی خاتون کو اس وقت عورتوں کے مابین نصیحت کے طور پر آخرت کا تذکرہ اور زندگی اور موت کی حقیقت کو بیان کرنا چاہیے۔

آرام و طعام بھی ضروری ہے

قبرستان بہت فاصلے پر ہو اور مرد حضرات کو واپس آنے میں کافی وقت درکار ہو تو اس دوران دوسری خواتین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوہ اور دیگر اہل خانہ کو کچھ آرام و طعام کا موقع دیں جبکہ دوسری صورت میں کھانے کے لیے میت کے مرد اہل خانہ کے واپس آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

میت کے اہل خانہ کے لیے ان کے ہاں پڑوسیوں یا قرابت داروں کی طرف سے کھانا پکا کر

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پہنچانا مسنون اور بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔تعزیت کے لیے دور دراز یا بیرون شہر سے آنے والے مسافروں کو کھانے میں شامل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ،البتہ قریب سے آنے والوں کو اصرار کر کر کے نہ بٹھائیں (جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے)۔

تلبینہ سے غم کا مسنون علاج

سیّدہ عائشہؓ کے گھرانے میں کوئی وفات ہوتی تو دن بھر تعزیت کرنے کو عورتیں آتی رہتیں' پھر باہر کے لوگ چلے جاتے اور گھر کے افراد اور خاص خاص لوگ ہی رہ جاتے تو وہ تلبینہ (جَو کوٹ کر دودھ میں پکانے کے بعد شہد ڈالنا) تیار کرنے کا حکم دیتیں۔ پھر ثرید (شوربے میں روٹی کے ٹکڑے) تیار کروا کر تلبینہ کی ہنڈیا کو ثرید پر ڈلوا دیتیں اور کہتیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: ''یہ مریض کے دل کے عوارض کا علاج ہے اور غم کو کچھ اُتار دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، 328)

زینت کی بجائے سادگی

شوہر کی وفات کے صدمہ میں دینی و دنیاوی معاملات سے وقتی طور پر دھیان ہٹ جانا فطری امر ہے۔معتدہ (عدت والی) اگر دین کی سمجھ بوجھ رکھتی ہے (اور زیور وغیرہ استعمال میں ہیں) تو ابتدا میں سنبھلتے ہی خود سے سامانِ زینت سے اجتناب کرے گی۔ ورنہ دوسری صورت میں اس کی بہت نزدیکی سہیلی یا قریبی رشتہ دار خاتون حکمت اور شفقت سے اسے عدت میں ہر طرح کی زینت سے گریز کرنے کا یہ شرعی حکم بتا سکتی ہے۔یہ اس سے بہتر ہے کہ تعزیت کے لیے آنے والی ہر خاتون اپنے انداز سے یہ حکم دہرا کر بیوہ کو بیزاری اور اذیت میں مبتلا کر دے۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ بیوہ پر تعزیت کرنے والوں کی طرف سے ہدایات، احکامات اور سوالات کی پُر زور یلغار شروع ہو جاتی ہے جس سے وہ جو پہلے ہی اس حادثہ سے مغموم اور دل گرفتہ ہوئے بیٹھی ہے، بے چارگی اور بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔

(عدت میں زینت کے تفصیلی حکم کے لیے صفحہ 34 سے 36 تک ملاحظہ فرمائیں)

بیوہ سے تعزیت کے لیے رشتہ داروں کی آمد پر

وفات کے ابتدائی دنوں میں بہت سے عزیز واقارب (محرم رشتہ دار اور خواتین) جو وفات اور جنازہ کے موقع پر نہیں پہنچ سکے تھے، تعزیت کے لیے اب وقتاً فوقتاً آنے لگتے ہیں۔ان کے لئے گھر کی ایسی کشادہ جگہ کو منتخب کر لیا جائے کہ اگر زیادہ رشتہ دار تعزیت کیلئے بیک وقت آجائیں تو انہیں بیٹھنے میں بھی دقت نہ ہو۔یا اگر دور کی جگہ سے آئے ہیں تو آرام کرنے اور نماز کا وقت آنے پر وہیں ادا کرنے میں آسانی ہو اس کے علاوہ بیوہ کو وقار اور بردباری کے پیش نظر مندرجہ ذیل چیزوں کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے:

- لوگوں سے بار بار یہ سوال نہ دہرائے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہیں وہی وسائل اور آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔لہٰذا اللہ ہی سے مدد مانگے اور بچوں کو بھی یہی بات سمجھائے کہ اللہ ہی اس مشکل وقت کو آسان کریں گے۔
- تقدیر کو ملامت نہ کرے۔تقدیر کے مالک اللہ رب العزت ہی ہیں اور یہ بات ہر ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہونی چاہیے ۔
- خود کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ:

  كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ...... (آلِ عمران: 185)

  ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''
- بیوہ ہر کسی کے آگے اس سانحہ کی تفصیلات مت دہرائے اور کم گوئی اور متانت سے کام لے' یقیناً اسی میں عافیت اور وجاہت ہے نیز تھوڑا بولنے سے صبر کو بھی تقویت ملے گی۔ غم کی شدت میں انسان پہلے ہی جسمانی طور پر کمزوری اور ضعف کی سی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے پھر بار بار اس کا ذکر دہرانے سے نہ صرف صبر و برداشت کی قوتیں کمزور پڑنے لگتی ہیں، بلکہ وہ غم بھی زیادہ عرصہ تک تازہ رہتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعزیت کرنے والوں کے فرائض

- تعزیت کے لیے آنے والوں کا پہلا فرض ہے کہ میت کی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی یا ناگہانی حادثہ یا جو بھی سانحہ موت کا سبب بنا، اسے اصرار اور تکرار کر کے پوچھنے سے فی الوقت پرہیز کریں۔ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ یہی سب کچھ آپ کے آنے سے پہلے بھی پوچھ چکے ہوں گے۔ کسی وجہ سے بیوہ سے ضروری تفصیلات جاننے کی بہت ضرورت بھی پڑ جائے تو اس کے ابتدائی صدمے کی کیفیت سے نکلنے کا انتظار کریں۔
- خیر خواہی اور خیر سگالی کی علامت کے طور پر اپنے ساتھ حسب توفیق پھل، گھر کا بنا ہوا کوئی کھانا، اس موقع سے مناسبت رکھنے والے موضوع پر کوئی کیسٹ، کتاب یا دعاؤں کے کارڈز وغیرہ میں سے جو بھی حسبِ استعداد لے جا سکتے ہوں، لیتے جائیں۔
- سادہ کپڑوں میں جائیں، نیز ایسے چھوٹے بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں جو آپ کو چند منٹ بھی سنجیدگی سے تعزیت کے اظہار کے لیے مہلت نہ دیں۔
- بیوہ اور دیگر متاثرین کو اس تکلیف دہ وقت میں صبر اور اس پر ملنے والے اجر کی نوید سنائیں، ان سے اللہ کی عنایات اور مہربانیوں کی باتیں کریں، تا کہ یہ رنجیدہ ہو کر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔
- بیوہ اور دیگر اہلِ میت کی ضروریات کا خود جائزہ لیں۔ شاید وہ خود سے آپ کو بتانے میں جھجک محسوس کریں۔
- تعزیت کے لیے آنے والے بہت زیادہ دیر تک نہ بیٹھیں۔ ممکن ہے کہ اس سے بیوہ کو اذیت ہو یا اس کے گھر داری کے معاملات یا بچوں کے تعلیمی اوقات میں حرج واقع ہو۔ لیکن اگر محسوس کریں کہ آپ کے وہاں بیٹھنے سے اسے سکون اور راحت مل رہی ہے یا وہ خود آپ سے زیادہ وقت بیٹھنے کی درخواست کر رہی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

- تعزیت کو آنے والے عزیز و اقارب کو مرحوم کے اثاثوں سے متعلق تفتیش کے انداز میں سوالات نہیں کرنے چاہییں۔ اسی طرح بیوہ کو بھی ایسے ہر سوال کے جواب میں کوئی بیان دینے میں احتیاط برتنی چاہیے اِلّا یہ کہ کوئی بہت خیر خواہ، بزرگ یا پھر ایسے صاحبِ حیثیت محرم رشتہ دار جو حقیقتاً بیوہ کی اعانت کی خاطر اس کی گذر بسر کے ذرائع کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں وہ البتہ پوچھ لیں تو بتا دینے میں کوئی قباحت نہیں۔
- تعزیت کے لئے جانے والے بیوہ اور دیگر اہلِ خانہ کو یہ دعا بھی دے سکتے ہیں:

اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَکَ وَاَحْسَنَ عَزَآئَکَ وَغَفَرَ لِمَیِّتِکَ (الاذکار للنووی، ص150)

”اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم اور بہت اچھی تسلی عطا فرمائیں اور آپ کی میت کو بخشیں۔“

(تعزیت کے آداب سے متعلق مزید معلومات کے لیے کتاب ”میرا جینا میرا مرنا“ کا مطالعہ فرمائیں)

غیر محرم تعزیت کرنے والے

بعض اوقات مرحوم کے ایسے رشتہ دار اور دوست احباب بھی تعزیت کے لیے آجاتے ہیں جو بیوہ کے لیے نامحرم ہوتے ہیں ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

یہ ایک حساس مسئلہ ہے۔ اس کا حل اپنی خاندانی روایات اور گھر کے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح نکالا جائے کہ جس سے دینی وقار اور اسلامی اقدار متاثر نہ ہوں، مثلاً:

- تعزیت کرنے والا مرحوم کے قریبی اور باعزت دوست احباب میں سے ہے اور گھر میں کسی بزرگ کا ساتھ ہے تو ان کی معیّت میں بیوہ باپردہ ہو کر کچھ دیر کے لیے آ بیٹھے، ورنہ کسی بچے کے ذریعے یا گھر کے کسی ملازم کے ذریعے معذرت کہلوا دے اور اگر گھر میں اس کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تو خود دروازے کے پاس کھڑی ہو کر اندر ہی سے تعزیتی کلمات سن لے اور ان سے دعا کی درخواست کرے اور شکریہ کے مختصر دعائیہ کلمات (جزاک اللہ) کہہ دے۔ اس کے سوا بیوہ کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہر آنے والے نامحرم کے سامنے جائے یا انہیں اندر لا بٹھائے یا لمبی چوڑی گفتگو کرے۔

- شوہر کی وراثت کے معاملات کے سلسلے میں ان کا وکیل، بزنس پارٹنر یا پرسنل اکاؤنٹس وغیرہ سے مطلع کرنے والا کوئی خیر خواہ آیا ہے اور اس سے بات چیت اور معاملہ فہمی کے لیے ملنا ضروری ہے تو نہایت سادہ کپڑوں میں اوڑھ ڈھانپ کر کسی محرم کی موجودگی میں بیٹھ سکتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جن عورتوں کے ساتھ محرم مرد نہ ہوں ان کے ساتھ تنہائی نہ کرو کیونکہ شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔'' (سنن ترمذی، کتاب الرضاع، حدیث: 1172)

''(نامحرم یا غیر) عورتوں کے پاس مت جایا کرو...'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح: 159)

معمولاتِ زندگی کی بحالی

گھر کے سربراہ کے اس طرح اچانک چلے جانے کے بعد بیوہ کو اب گھر بار کی ذمہ داریوں کا دوہرا بوجھ اٹھانا ہے۔ یقیناً یہ ایک پہاڑ سا وزنی کام دکھائی دینے لگتا ہے۔ دوسری طرف بچوں کو بھی باپ سے محروم ہو جانے کے بعد اب ایک باہمت اور پُرعزم ماں کی ضرورت ہے۔

مختصر یہ کہ جن کاموں کی اسے پہلے قطعی عادت نہ تھی اب ان سب کو ایک منصوبہ بندی کے تحت منظم کرنا ہے۔ البتہ اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر آزمائش اور مشکل سے پہلے انسان کو تیار کرتا ہے اور یہ کہ وہ کسی پر اس کی استطاعت اور استعداد سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس سوچ کے ساتھ تمام کام آسان ہونے لگتے ہیں۔ یوں بیوہ کا ان تمام ذمہ داریوں میں مصروف رہنا بھی ایک طرح سے اس کے غم کا مداوہ بن سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ رنج و غم سے نکلنے میں مدد دینے والی دعاؤں اور اذکار کو بھی اپنے روزمرّہ معمولات میں شامل رکھے۔ (رنج و غم اور بے چینی دور کرنے والی دعائیں صفحہ 201 پر دیکھئے)

عربی مقولہ [عُلُوُّ الْهِمَّةِ مِنَ الْإِيمَانِ] عالی ہمتی ایمان کی علامت ہے۔

بیوہ کے لیے اگرچہ سوگ کی مدت چار ماہ دس دن ہے مگر اس کے ساتھ رہنے والے دیگر متاثرین کے لیے صرف تین دن کے سوگ کا حکم ہے۔ اس مدت کو غم بھلانے کے لیے نہ سہی مگر غم سہنے اور برداشت کرنے کے لیے کافی سمجھا گیا۔ لہٰذا ان تین دنوں کے بعد زندگی کو رواں دواں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بیوہ کو بھی اپنا کردار نبھانا ہے، تاکہ بچے اور دیگر اہل خانہ جلدی اس نامانوس اور اذیت ناک ماحول سے باہر نکلیں۔

غیر اسلامی سوگ

کسی بھی مسلمان کو مصیبت میں کالی پٹیاں باندھنا، کالے جھنڈے لگانا، بوریا یا فرشی بستر بچھانا جائز نہیں (اگرچہ فرشی بستر سنت ہے، لیکن خاص سوگ کرنے کے ارادے سے یوں اٹھنا بیٹھنا غلط ہے) نیز بیوہ کو سوگ میں صرف کالے کپڑے پہنے رکھنا، یہ سب غیر اسلامی طریقے ہیں۔

اسی طرح خاندان، برادری میں کسی کا شادی بیاہ ہونے والا تھا کہ کسی عزیز کی وفات ہوگئی، اب اس وجہ سے اسے ہفتوں، مہینوں ملتوی کیے رکھنا جبکہ سوگ صرف تین دن کا ہے اور فقط بیوہ کے لیے سوگ کی مدت (عدت) چار ماہ دس دن ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سابقہ معمولات کا آغاز

- عیال دار بیوہ کو چاہیے کہ تین دن کے بعد بچوں کو سکول، کالج یا جس کام کاج پر بھی ہیں، بھیجنا شروع کر دے۔
- گھر کے فرنیچر یا دیگر رکھ رکھاؤ میں وفات کی وجہ سے اگر کوئی تبدیلی کرنا پڑی تھی تو اب باقی اہل خانہ کے ساتھ مل جُل کر اس کی ترتیب درست کرے تاکہ ماحول بدلنے سے غم کے اثرات میں کمی واقع ہو۔
- اپنی اور اپنے بچوں کی صحت و عافیت کی خاطر اب آرام و طعام کی طرف بھی مناسب توجہ اور رغبت کرنا ہے۔ پچھلے دنوں کی بے آرامی اور کھانے پینے کے اوقات میں کمی بیشی کی وجہ سے سب کی صحت متاثر ہونے کا امکان ہو سکتا ہے، اسے بھی بہتر کرنا ہے۔

- باورچی خانے کا نظام بھی زیادہ سے زیادہ تین دن کے بعد بحال ہوجانا ضروری ہے۔ آس پڑوس والوں کا تعاون سوگ کے ان تین دنوں تک کافی ہے۔

بن بچوں والی بیوہ

ایسی بیوہ خاتون جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں، خود کو کیسے مصروف رکھے؟ اس کے لیے بہترین حل یہ ہے کہ وہ اپنا وقت، اپنا مال اور اپنی صلاحیتیں دین کی ترقی اور فی سبیل اللہ (جن میں انسانی فلاح وبھلائی کے بہت سے شعبے شامل ہیں) کے کام میں لگائے۔ یہ اس کے لیے روحانی سکون کا باعث بھی بنے گا اور اپنے اور اپنے شوہر کے لیے صدقہ جاریہ بھی ثابت ہوگا۔

دورانِ عدت یہ سب کام گھر میں رہتے ہوئے انجام دینے چاہئیں۔ دیگر اہلِ خانہ کو بھی اس سلسلے میں بیوہ سے تعاون کرنا چاہیے۔

کم عمر بیوہ اور قرابت دار خواتین کا ساتھ

کم عمر اور بغیر بچوں والی خاتون کے لیے حالتِ بیوگی زیادہ بڑا المیہ بن سکتی ہے، خصوصاً جب کہ وہ تنہا رہ گئی ہو اور عدت کی وجہ سے باہر نکلنے کی پابندی نبھانے کے لیے کہیں عزیز واقارب میں بھی نہ جاسکے۔ ایسے میں بیوہ کو چاہیے کہ عزیز واقارب میں سے کچھ ایسی بزرگ خواتین کو، جو گھریلو ذمہ داریوں سے بے نیاز یا فارغ ہوچکی ہوں، درخواست کرے کہ وہ دورانِ عدت باری باری، وقتاً فوقتاً اس کے پاس آجایا کریں تاکہ کچھ عرصہ نئی صورتحال سے مانوس ہونے میں وہ اس کا ساتھ دے سکیں۔

اسی طرح اس کی قریبی اور عزیز سہیلیوں کا بھی فرض ہے کہ وہ گاہے بگاہے اس بیوہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور اس کی دل جوئی اور ڈھارس کی خاطر کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا کریں۔ اس سے نہ صرف اس کا غم ہلکا ہوگا اور وہ جلد نارمل ہوگی بلکہ اس کی بہت سی ضروریات اور مسائل کا بھی انہیں اندازہ ہوجائے گا جس کے بعد یہ اس کی بہتر طریقے سے مدد اور رہنمائی کرسکیں گی۔

صدمے پر صبر

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

(البقرة: 157-155)

"...اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، بھوک، مالوں اور جانوں کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے آزمائیں گے۔ اور خوشخبری ہے ان صبر کرنے والوں کے لیے جو (ان حالات میں کہ) جب کوئی مصیبت پڑے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اور اس کی رحمت ان پر ہوگی، اور ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں۔"

صبر کے لغوی معنی ہیں، روکے رکھنا۔ فہمِ عامہ میں مراد ہے، کسی بھی تلخی کو سہہ لینا۔

ہر انسان کو زندگی میں بہت دفعہ نقصان، محرومی، جدائی اور مختلف حادثات وغیرہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس پر وہ فوری طور پر غم، دکھ، صدمہ، پریشانی، اذیت، ذہنی دباؤ اور ذہنی کھچاؤ جیسی کیفیات میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کرنے کی بجائے اس کے حوالے کردینا، اپنے اور اپنے اردگرد والوں کے لیے نقصان دہ اور آخرت میں خسارے کا سبب ہوسکتا ہے، اسی سے روکنے کے لیے یعنی اس پر صبر کرنے کے لیے انسان کو تلقین کی جاتی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

صبر کس کی خاطر کیا جائے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ؕ (المدثر:7)

''اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔''

صبر کیسے کیا جائے؟

کوشش سے صبر

> **صبر کے لیے بہترین نسخہ ۔ ذکر**
>
> اَ لَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ o
>
> (الرعد: 28)
>
> یاد رکھو! اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

صبر کے لیے کوشش کرنا شرط ہے۔ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ ہر عمل اور ہر کوشش کے پیچھے نیت بھی کارفرما ہوتی ہے۔ جو بھی دل سے چاہے کہ رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرنا ہے اُسے جلدی کامیابی ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کریں گے اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ)

اس ضمن میں مؤثر ترین طریقے یقیناً وہی ہیں جو ہمارا دین ہمیں بتاتا ہے یعنی فرض نمازوں کی باقاعدگی کے علاوہ زائد نوافل، اذکار و تسبیحات اور دعاؤں کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کرنا۔

اس کے علاوہ روزمرہ کی تلاوتِ قرآن کریم کے اوقات کو زیادہ منظم کرنا اور اس کی تعلیمات کے شعوری مطالعہ کا زیادہ اہتمام کرنا اس صدمے اور غم کا اثر دور کرنے کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ صبر پر استقامت کے لیے کچھ مزید یقین دہانیاں بھی ضروری ہیں، مثلاً:

☆ تمام انسانوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کو برحق ماننا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ o (الانشقاق: 6)

''اے انسان! بے شک تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے بالآخر تجھے اس کے حضور پیش ہونا ہے۔''

☆ تقدیر کے لکھے پر خود کو راضی برضا کر لینا اور اس پر وقار اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ o لِّکَیْلَا تَاْسَوْا... (الحدید: 23-22)

''کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین پر یا تمہاری اپنی جانوں پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو، بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے (یہ سب اس لیے ہے) تاکہ تم کسی نقصان پر دل شکستہ نہ ہو۔''

☆ المیہ پیش آتے ہی اپنے جذبات اور نفس کو بے قابو ہونے سے بچانا۔ نیز بے اختیار ہو کر چیخنے چلانے کو جی چاہے تو اس کو روکنا۔ احادیثِ رسول ﷺ ہیں، فرمایا:

''جو شخص گریبان پھاڑتا، گالوں پر طمانچے مارتا اور جاہلیت کی طرح چیختا اور بین (نوحہ) کرتا ہے وہ میری اُمت میں سے نہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''نوحہ کرنے والی اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو روزِ قیامت اسے گندھک کی قمیض اور خارش کی اوڑھنی پہنائی جائے گی۔'' (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ: 2033)

☆ شکوہ شکایات یا ناراضگی کے خیالات دل میں اور زبان تک لانے سے پرہیز کرنا۔

نبی اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک بڑی آزمائش پر بڑی جزا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو انہیں آزمائش میں ڈال دیتے ہیں تو جو اللہ کی رضا پر راضی ہو، اللہ بھی اس سے راضی ہوتے ہیں اور جو اللہ کی مشیّت پر ناراض ہو، اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔'' (جامع ترمذی، کتاب الزہد: 2396)

☆ ان تمام نعمتوں کے بارے میں بھی سوچنا جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دے رکھی ہیں اور تسلیم کرنا کہ یہ صرف ایک نعمت گئی ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب کچھ واپس جا سکتا تھا، یہ تو

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اس ذاتِ عالی کا احسان ہے کہ اور بھی بہت کچھ نواز رکھا ہے، مثلاً:

ایمان، صحت، عزت، وقار، درست اعضا، ہوش وحواس وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ o (التکاثر: 8)

''پھر ضرور تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

☆ اپنے غم کی شدت میں ان لوگوں کا تصور کرنا جو اس سے بھی بڑے مصائب اور مشکلات سے دوچار ہیں اور بسا اوقات ان کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں، حتیٰ کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ اپنے اہل وعیال، گھر بار اور وطن سے دور مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

☆ دُکھ اور غم اگرچہ کتنا ہی بڑا لگے یہ غور کرنا کہ کیا اس سے بھی زیادہ اذیت ناک کوئی اور غم ہو سکتا ہے؟ اس خیال کے ساتھ ہی آخرت کا غم اور قیامت کی ہولناکیاں یاد کر لینا جبکہ مائیں شیرخوار بچوں تک سے غافل ہو جائیں گی، وہ وقت یاد آجائے تو پھر یہ دُکھ کی گھڑیاں گزارنی آسان ہو جائیں گی۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ یاد دہانی کراتے ہیں:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ o وَاُمِّهٖ وَاَبِيهِ o وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيهِ o (عبس: 36-34)

''اس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔''

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا o (المزمل: 17)

''اگر تم انکار کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔''

☆ ابتدائی صدمے اور غم کی شدت کم ہوتے ہی جلد از جلد نئے عمل کی راہیں متعین کرنا، نہ کہ دنیا ہی چھوڑ بیٹھنا۔

عربی مقولہ [ثَمْرَةُ الصَّبْرِ نُجْحُ الظَّفْرِ] صبر کا انجام کامیابی ہے۔

صبر کی فضیلت

انتہائی غمزدہ حالت میں صبر کا گھونٹ اندر اتارنا یا ایسے موقع پر کسی کی یہ نصیحت کہ 'صبر کرو' واقعی بہت دشوار اور بھاری لگتا ہے۔ البتہ اس پر آخرت میں اجر ونعمت ملنے کے علاوہ دنیاوی زندگی میں بھی حاصل ہونے والے فوائد جان لیے جائیں تو پھر ایک مومن کو صبر کرنے میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔

☆ سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ صبر کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ o (اٰلِ عمران: 146)

''اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

☆ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ o (الانفال: 46)

''صبر سے کام لو! یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔''

☆ بندے کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان کو کوئی (قلبی یا جسمانی) تکلیف اور بیماری یا کوئی رنج وغم اور اذیت اور دکھ پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے ایک کانٹا بھی چبھتا ہے (اور وہ اس پر صبر کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور فرما دیتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ)

''جس مسلمان کو کوئی تکلیف واذیت پہنچے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ ایسے جھاڑ دیتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑ پڑتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ)

☆ صبر کے بدلے میں جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے، ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جب میں اپنے مومن بندے

کے کسی عزیز کو فوت کرلوں اور وہ صبر کرے، اور صبر پر ثواب کی امید بھی رکھے تو اس کی جزا میرے پاس صرف جنت ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

☆ تقویٰ حاصل ہوتا ہے، جو کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

....فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (ھود: 49)

''صبر کیجئے بلاشبہ آخر کامیابی متقیوں کے لیے ہے۔''

☆ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کی خاطر اپنے غم پر صبر کرنے والے کو ایمانی قوت اور ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس میں تین باتیں پائی جائیں اس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی؛

1 ۔ تمام دنیا سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت،

2 ۔ جب بھی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے کرے، اور

3 ۔ کفر سے رہائی پا لینے کے بعد کفر میں جانا اتنا ناگوار سمجھے گویا آگ میں جھونکا جا رہا ہے۔'' (زمانہ جاہلیت جیسے اظہارِ غم کی بجائے صبر کرنا) (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

☆ اللہ کی رضا کی خاطر صبر کرنے سے درجات کی بلندی نصیب ہوتی ہے۔ حدیث ہے:

''اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے لیے کوئی اونچا مرتبہ (آخرت کا بلند درجہ) طے کرلیا ہوتا ہے مگر وہ بندہ ایسے کام یا عمل نہ کرسکتا ہو کہ اس اونچے مرتبے کو پالے، (یا اس کے قابل ہو سکے) تو اللہ تعالیٰ اس کو جان، مال یا اولاد (کی مشکلات) میں مبتلا کردیتے ہیں۔''

(تا کہ وہ صبر جھیل کر اس بلند مرتبے کو پالے جو اس کے لیے طے ہو چکا ہے)

(سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، حدیث: 3084)

☆ صبر کے ثمرات میں توکّل بھی شامل ہے، جس کے بعد غیبی مدد اور کامیابی کے دروازے کھلنے لگتے ہیں اور گزر اوقات کے لیے وسائل پیدا ہونے لگتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (التوبۃ: 51)

''کہہ دیجئے! ہمیں ہرگز (کوئی بھلائی یا برائی) نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

☆ کسی بھی سانحے پر صبر کرنے کی بدولت مشکلات آسان ہونے لگتی ہیں، ارشادِ پاک ہے:

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشرح: 6)

''بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''

☆ صبر کرنے کا ایک فائدہ اور بھی ہے کہ منفی سوچ بچار اور جزع فزع میں وقت اور صلاحیت ضائع ہونے کی بجائے تدبر اور معاملہ فہمی کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طرح ایک بندۂ مومن (عورت ہو یا مرد) ہر طرح سے بھلائیاں ہی سمیٹتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''مومن کا بھی عجب حال ہے۔ اُس کی ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ اور یہ چیز مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ اگر اُسے نعمت ملے اور وہ شکر ادا کرے تو اس میں بھی اس کے لیے خیر ہے، اور اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو اس میں بھی اس کے لیے ثواب ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقاق، حدیث: 7500)

☆ صبر اللہ کی طرف رجوع کرنا سکھاتا ہے اور اللہ کا قرب بھی محسوس کراتا ہے اور یوں اللہ سے تعلق انسان کی صلاحیتوں کو تیز کرتا ہے، جس کے بعد قدم خود بخود اعمالِ صالحات کی طرف بڑھنے لگتے ہیں اور بالآخر بندہ اپنے رب کی طرف سے ملنے والے انعامات کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

(ھود: 11)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

’’وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا (نفس پر قابو رکھا) اور اچھے کام بھی کیے۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بڑا انعام ہے۔‘‘

بہرحال مندرجہ بالا تمام حقائق اور فوائد جان لینے والا بندۂ مومن ہر قسم کی صورتحال میں مومنانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ ہی کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ نہ غم کی حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے نہ خوشی کی، یہ گردشِ ایام کی مانند ایک دوسرے کے پیچھے رواں دواں ہیں۔ لہٰذا نہ تو وہ غم کو گلے کا ہار بناتا ہے اور نہ ہی نفس کو مستقل مایوسی میں مبتلا کر کے اپنی صحت برباد کرتا ہے۔

عربی مقولہ [اَلْهَمُّ نِصْفُ الْهَرَمِ] غم آدھا بڑھاپا ہے

یوں بھی جس نے دنیاوی زندگی ہی کو اصل زندگی سمجھا، اُسی نے یہاں کے بُرے حالات کا شدید اثر لیا۔ اس کے برعکس کوئی ایسا بھی ہے جو غم کو محض اس لیے سہہ جاتا ہے کہ وہ اسی میں سے آخرت کا حصہ نکالنا چاہتا ہے۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے:

’’قیامت کے دن جب اُن بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو جن لوگوں نے دنیا میں ہمیشہ آرام اور چین کی زندگی بسر کی، حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔‘‘ (جامع ترمذی، کتاب الزہد : 2402)

دنیاوی زندگی تو ہے ہی بڑی محدود اور عارضی۔ اس کے تمام معاملات اور نتائج اس فانی دنیا ہی میں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ آگے ایک نہ ختم ہونے والی زندگانی بھی پڑی ہے، جو اصل اور اٹل حقیقت ہے اور جسے ہم یکسر فراموش کیے بیٹھے ہیں اسی لیے دنیا کا غم زیادہ بڑا غم لگتا ہے۔

دنیا میں بسا اوقات مصیبتوں کی شکل میں نعمتیں اور نعمتوں کی صورت میں پریشانیاں گرفت میں لے لیتی ہیں اس لیے مصیبت اور نعمت دونوں کی ظاہری صورت پر کبھی نظر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ان کے باطنی رخ کو سمجھ کر صبر اور شکر کی عادت اپنانی چاہیے تاکہ کبھی نعمت اور کبھی مصیبت' معصیت نہ بن جائے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والے مومن غموں کو بھی اللہ کی جانب سے تحفہ سمجھتے ہیں اسی لیے وہ ان غموں یا دکھوں کو خود پر مسلط یا طاری کرنے اور ان پر مغموم یا دل گرفتہ ہونے کی بجائے ان میں خیر کے پہلو تلاش کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال جانی یا مالی نقصان پر صبر کے حوالے سے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ظاہری کارکردگی میں بھی اپنی سمت درست رکھی جائے اور باطنی توجہ بھی اللہ کے قرب کی متلاشی رہے اور اُسی سے مدد طلب کی جائے اور پھر یہ تمنا رکھی جائے کہ اللہ دنیا و آخرت کی نعمتیں اور بخشش عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے مرنے والے عزیزوں اور نیک صالح بندوں کا جنت میں ساتھ بھی نصیب فرمائے، آمین۔

عربی مقولہ [يَوْمٌ لَنَا وَيَوْمٌ عَلَيْنَا] کوئی دن ہمارے موافق تو کوئی دن ہمارے مخالف

گردشِ ایام

....وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ .... (ال عمران : 140)

’’یہ تو زمانے (کے نشیب و فراز) ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش کراتے رہتے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہی اچھے اور بُرے دنوں کو لوگوں کے درمیان گردش کراتا ہے۔ سمجھ دار مومن صابر اور ثابت قدم رہنے کے لیے اچھے دنوں میں بُرے دنوں کی تیاری رکھتا ہے وہ اپنے نفس کی تربیت کے لیے شروع ہی سے اللہ کی اطاعت، اس پر توکّل اور اسی کے سہارے کو مضبوطی سے تھامنے کا پابند ہوتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی اور کا نہیں صرف اللہ ہی کا محتاج رہے۔

یوں حالات کے اُلٹ پھیر میں تقدیر سے ناراض ہونے اور زمانہ کے نشیب و فراز میں منفی رویہ اپنانے کی بجائے وہ اپنی ذات کے مخفی پہلوؤں اور قابلِ اصلاح گوشوں کو اچھی طرح جانچتا رہتا ہے، پھر انہیں از سرِ نو تعمیر کرنے کی کوشش اور جدوجہد شروع کر دیتا ہے۔

(ماخوذ لیکچر استاذہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی)

عدّت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ... (البقرۃ:234)

''اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیوائیں) چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔''

شوہر کے فوت ہوتے ہی یا طلاق دینے کے ساتھ ہی عورت کے لیے عدت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں ''بیوہ کی عدت'' پر بات کریں گے۔

عدت بمطابق قمری مہینے

عدت کے لیے چار ماہ، دس دن کا حساب اسلامی کیلنڈر کے مطابق ہوگا مثلاً:

5 جمادی الثانی کو شوہر کی وفات ہوئی ہے تو 5 شوال تک 4 ماہ اور اوپر 10 دن یعنی 15 شوال تک بیوہ کی عدت ختم ہوگئی ہے۔

چاروں مہینوں میں چاند 29 دنوں کا یا 30 دنوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ واللہ اعلم

اسلامی احکامات کی رو سے عدت میں بیوہ پر کچھ قواعد وضوابط عائد ہوتے ہیں جو اس نئی صورتحال میں اسی کے حق میں بہتر اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً:

1) نکاح کی ممانعت 2) زینت سے پرہیز 3) مسکن (جائے رہائش) کا معاملہ
4) باہر کم نکلنا 5) سفر سے بچنا 6) نفقہ اور وراثت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

1) نکاح کی ممانعت

بیوہ کو زمانۂ عدت میں اپنے نفس کو دوسری شادی (منگنی، نکاح، رخصتی) سے روکے رکھنا ہے یعنی دوسری شادی کرنا چاہے، تو عدت ختم ہونے کا انتظار کرے۔

عدت میں نکاح سے ممانعت کی حکمتیں

نسب کا تعیّن

انسان خواہ کسی بھی رنگ، نسل، قبیلہ، قوم سے تعلق رکھتا ہو اس کے خواص میں سے ہے کہ اسے اپنے ہی حسب ونسب کی طلب وجستجو ہوتی ہے۔ حمل کی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی امانتدار ہوتی ہے لہٰذا پہلی حکمت یہ ہے کہ اگر شوہر کی وفات سے قبل بیوہ کو حمل ٹھہر چکا تھا تو اس اثناء (عدت) میں ظاہر ہو جائے ورنہ یہ بات مشتبہ رہ جاتی کہ یہ حمل مرحوم شوہر سے ٹھہرا تھا، یا یہ دوسرے نکاح کا نتیجہ ہے؟ ایسی مبہم صورت میں تینوں فریقوں کے ساتھ مندرجہ ذیل زیادتیاں ہوسکتی تھیں:

- نکاحِ ثانی کی صورت میں بیوہ پہلے خاوند سے ٹھہرا ہوا حمل چھپاتی تو دوسرے خاوند کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہوتی اور بچے کو اس کے اصلی باپ کے نسبی تعلق سے محروم رکھتی۔
- دوسرے شوہر سے حمل ٹھہرتا اور وہ شبہ میں رہتے ہوئے اسے بیوہ کے سابقہ شوہر سے ٹھہرنا قرار دیتا اور یوں اپنے ہی نسب کو ضائع کرتا۔
- بچے کے ساتھ زیادتی اس طرح ہوتی کہ وہ خرچ اٹھانے والے اور شفقت دینے والے اصل باپ سے محروم رہتا یا مرحوم باپ کے حقِ وراثت اور اپنے اصل ددھیالی رشتوں کی قربت اور محبت سے محروم رہتا۔

لہٰذا رب العالمین کی طرف سے بیوہ کو چار ماہ دس دن کی صورت میں ایک نہایت مناسب اور معقول موقع فراہم کیا گیا تا کہ وہ اس دوران دنوں کا درست شمار کرتے ہوئے امانت کو اس کے حقدار سے منسوب کر سکے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نئی صورتحال نئے معاملات کی درستگی کے لیے مہلت

بسا اوقات ایسی صورتحال میں خاندانی و سسرالی حالات، مرحوم شوہر کا ترکہ، قرض، اُدھار یا کاروبار وغیرہ کے معاملات کو سنبھالنے اور درست کرنے اور گھر کے سابقہ معمولات کی طرف واپس آنے نیز نئی ذمہ داریوں کی منصوبہ بندی کے لیے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے، جو فوری نکاحِ ثانی کے سبب ممکن نہ ہو سکتا تھا، اس کے لیے بھی عدت کا وقت نہایت موزوں ثابت ہوتا ہے۔

جدائی کا غم اور اس کے علاج کے لیے مہلت

عدت کے دوران نکاح یا منگنی کے پیغام کو اس لیے بھی ممنوع رکھا گیا تا کہ بیوہ اپنے مرحوم شوہر سے وفاداری نبھانے کے طور پر اور اس کی رفاقت میں گزارے ہوئے دنوں کا تقدس اور احترام بحال رکھنے کے لیے کچھ عرصہ کسی قسم کے نئے تعلق سے آزاد رہے۔ گذرے ہوئے دنوں کی یادیں فی الفور دل سے نکالنا دشوار کام ہوتا ہے۔ اور جدائی کے بعد گزرتا وقت بسا اوقات غم کو ہلکا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

فیصلے کی قوت بحال ہو جانے کی مہلت

دورانِ عدت بیوہ سے کوئی مرد نکاح کا خواہشمند ہو اور اشارے کنایے میں اس تک پیغام پہنچائے تو اسے دیگر معاملات کے ساتھ مہر، جہیز، نان نفقہ وغیرہ کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی مہلت میّسر آ جائے علاوہ ازیں وہ شیر خوار بچے والی ہے تو بھی اسے عدت ہی میں اس بات کا فیصلہ کرنے کا موقع مل جائے کہ اسے رضاعت کے زمانہ میں نکاح کرنا ہے یا اس کے بعد، وغیرہ۔

ضروری وضاحت : عورت خواہ کم عمری میں بیوہ ہو یا بزرگی میں، بے اولاد ہو یا اولاد والی، سن یاس menopause سے گزر چکی ہو یا گزر رہی ہو، عدت کی مدت وہی رہے گی اور تمام شرعی شرائط سمیت گزاری جائے گی، کیونکہ اسلام میں بیوہ کے لیے نہ تو strict یا moderate عدت کی کوئی اصطلاح ہے اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل ملتی ہے ۔۔۔۔ اگرچہ اکثر عمر رسیدہ

خواتین ہی کو بیوگی سے دوچار ہونا پڑتا ہے ۔ یہاں تک کہ مفقود یعنی گمشدہ شخص کی بیوی کو بھی ایک سے چار سال تک انتظار کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت گزارنے کا ہی حکم ہے۔ البتہ خلع لینے والی اور مطلقہ خاتون کی عدت میں تخفیف ضرور ہے۔

(امام بخاریؒ نے کتاب الطلاق میں باب باندھا.....اور زہری نے کہا کہ اگر نابالغ لڑکی کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ بھی (سوگ کرے) خوشبو نہ لگائے کیونکہ اس پر بھی عدت واجب ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق)

ایک عدت میں دوسری عدت کی مداخلت

''طلاقِ رجعی'' کی صورت میں ایک ماہواری یا دو ماہواری کے بعد شوہر کی وفات ہو جائے تو عدتِ طلاق، عدتِ وفات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟ وفات کے دن سے اس کا آغاز ہوگا۔

(رجعی طلاق والی عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے اور اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے، جبکہ طلاق بائن والی وارث نہیں ہوتی)

2) زینت سے پرہیز

''عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے البتہ خاوند (کی وفات) پر اس کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق)

''سوگ'' کا مطلب یہ ہے کہ خود کو بننے سنورنے سے روکے رکھنا اور سادگی اختیار کرنا، یعنی بیوہ خاتون تمام ایّامِ عدت میں کسی قسم کا بناؤ سنگھار نہیں کرے گی، مثلاً:

- ☆ وہ خوبصورت، دیدہ زیب اور پرکشش لباس نہ پہنے گی (خصوصاً رنگا ہوا کپڑا، بھڑکیلا اور شوخ رنگ والا لباس وغیرہ)،
- ☆ زیورات استعمال نہ کرے گی،
- ☆ عطر یا تیز خوشبودار تیل اور کسی بھی قسم کا میک اپ استعمال نہیں کرے گی،

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ مہندی، سرمہ، کاجل لگانا، ایسا پان کھانا جس سے منہ لال ہوتا ہو، اور دانتوں پر رنگدار دنداسہ (مِسّی ملنا)، پھول پہننا، بالوں کو رنگنا یا ان میں سجاوٹ والا پراندہ وغیرہ ڈالنا، ان سب سے عدت کے دوران پرہیز کرنا ہوگا۔

اُمِ عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''کوئی عورت میت پر سوگ کے لیے تین دن سے زیادہ مقرر نہ کرے سوائے اپنے شوہر کے، جس پر چار ماہ دس دن کی عدت کرنا ہے۔ اس دوران عورت رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے اِلَّا یہ کہ رنگدار بُنا ہوا ہو، نہ سرمہ لگائے، نہ ہی خوشبو استعمال کرے۔ البتہ جب حیض سے پاک ہو تو حیض کے خون کی بدبو دور کرنے کے لیے معمولی سی قسط (عود) یا اظفار کی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الطلاق)

اسی طرح اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''جس عورت کا شوہر وفات پا گیا وہ (عدت گزرنے تک) عَصْفَرَ یا مشق (مٹی کی قسم) سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے اور مہندی سے بال نہ رنگے اور سرمہ بھی نہ لگائے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، حدیث: 2304)

زینب بنت ابی سلمہؓ اپنی والدہ اُمِّ سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی، 'یا رسول اللہ! میری بیٹی (عاتکہ) کا شوہر (مغیرہ) وفات پا گیا ہے اور (رونے کی وجہ سے) اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں، کیا ہم اس کو سرمہ لگا سکتے ہیں؟' آپ ﷺ نے فرمایا، ''نہیں''۔ دوسری بار پوچھنے پر پھر فرمایا، ''نہیں''۔ تیسری مرتبہ بھی منع کیا، پھر فرمایا:

''یہ تو (اسلام میں عدت) چار ماہ دس دن ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتوں میں سے کوئی بیوہ ہو جاتی تو سال بھر ایک جھونپڑے میں بیٹھ رہتی اور برے سے برے کپڑے پہن لیتی اور خوشبو بھی نہ لگاتی۔ یہاں تک کہ ایک سال اسی طرح (تکلیف میں) گزارتی۔ پھر سال پورا ہوتا تو (جاہلیت کے طریقے سے اپنا سوگ توڑتی اور) باہر آتی۔ اس وقت اونٹ کی ایک مینگنی اس کو دی جاتی تو وہ اپنے سامنے اسے پھینکتی، پھر خوشبو وغیرہ جو چاہتی لگاتی۔'' (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، حدیث: 1222)

عدت میں ترکِ زینت کی وجوہات اور فوائد

○ **بناؤ سنگھار اب کِس کے لیے؟**

ترکِ زینت کے حکم کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ شرعاً عورت کو زینت اپنے شوہر کے لیے ہی کرنا جائز ہے اور اب اس کے جانے کے بعد اس کا جواز دورانِ عدت باقی نہیں رہا۔

ایک بار عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہؓ سے سیدہ عائشہؓ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ نہایت سادہ کپڑوں میں ہیں اور کوئی بناؤ سنگھار بھی نہیں کیا ہے تو عائشہؓ کو بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ تم نے ایک بیاہتا عورت ہو کر اپنی ایسی حالت کیوں بنا رکھی ہے، کیا عثمان کہیں باہر سفر پر گئے ہوئے ہیں؟....'' (بحوالہ مسند احمد، کتاب باقی المسند الانصار، حدیث: 23610)

(ان کے اظہارِ تعجب سے بھی اندازہ ہوا کہ زینت اور بناؤ سنگھار کا جواز شوہر کی موجودگی سے ہے)

○ **سادگی بے خاوند عورت کو فتنوں سے محفوظ رکھتی ہے**

زینت اور سج دھج میں جنسِ مخالف کے لیے کشش ہوتی ہے (اور بے خاوند عورت بسا اوقات غیر محفوظ بھی ہے) لہٰذا اس کے نتیجے میں کسی بھی فتنہ میں پڑنے کے امکانات کا اس حکم کے ذریعے سدِّ باب کیا گیا ہے۔

○ **سادگی دورانِ عدت نکاحِ ثانی کی پیشکش سے بچنے کا ذریعہ**

عدت چونکہ نئے نکاح کی ممنوعہ مدت بھی ہے نیز زینت نہ کرنے اور سادگی و وقار سے اسے گزارنے کے حکم کی وجہ سے بیوہ دوسرے مردوں کے لیے چاہت اور رغبت کا باعث بھی نہیں بن رہی، لہٰذا نکاح کے فوری پیغامات آنے کے مواقع بھی ختم ہو گئے۔

(خصوصاً پردہ نہ کرنے والی ان بیوہ خواتین کے لیے جنہیں اپنے ذریعہ معاش کے لیے دن کے کچھ حصے میں باہر نکلنا پڑے)۔

عربی مقولہ [عَیٌّ صَامِتٌ خَیْرٌ مِنْ عَیٍّ نَاطِقٍ] خاموش عاجزی، زبانی کلامی عاجزی سے بہتر ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

3) بیوہ کی جائے رہائش (مسکن)

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝
(البقرة : 234)

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚصلے وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ
مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ط وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝
(البقرة : 240)

ان آیات کے مختلف مفسّرین کرام کے تراجم

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

''تم میں سے جو لوگ مر جائیں، ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں، تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے، دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے کہ اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں، تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔'' (البقرہ : 234)

''تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں، ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیّت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ بھی کریں اس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا حکیم و دانا ہے۔'' (البقرہ : 240) **(تفہیم القرآن)**

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابنِ کثیرؒ

''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں، انہیں کوئی نہ نکالے۔ پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔'' (البقرہ : 240) **(تفسیر ابن کثیر)**

علامہ ابو محمد عبدالحق حقّانی دہلویؒ

''اور جو تم میں سے مرنے کو ہوں اور بیویاں بھی چھوڑ مریں (تو) ان کو اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے گزارہ کے لیے وصیت کرنی چاہیے۔ گھر سے باہر کیے بغیر۔ پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو تم کو اس بات میں کہ جو وہ اپنے لیے دستور کے موافق کر لیں، کچھ بھی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔'' (البقرہ : 240) **(تفسیر حقّانی)**

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور ان کی بیویاں موجود ہوں، تو اپنی بیویوں (بیواؤں) کے حق میں وصیت کر جائیں کہ سال بھر انہیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نکالا نہ جائے، لیکن تم پر کوئی مواخذہ نہیں اگر ان کے ذہن میں اپنے لئے کوئی اچھی تجویز ہو اور وہ از خود گھر سے چلی جائیں۔ اور اللہ صاحبِ اقتدار حکمت والا ہے۔'' (البقرہ : 240) **(تیسیر القرآن)**

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

''اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتوں کو، تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے، خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر پر، پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جائیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات۔ اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا۔'' (البقرہ : 240) **(معارف القرآن)**

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ان آیات سے متعلق مفسرین کی آراء

.....اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا عدت کے اس زمانے میں عورت گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں۔سیدنا عمرؓ،عثمانؓ،ابنِ عمرؓ زید بن ثابتؓ،ابنِ مسعودؓ،اُم سلمہؓ،سعید بن مُسَیَّبؒ،ابراہیم نخعیؒ، محمد بن سیرینؒ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ زمانہ عدت میں عورت کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں اس کے شوہر نے وفات پائی ہو۔دن کے وقت کسی ضرورت سے وہ باہر جا سکتی ہے،مگر قیام اس کا اسی گھر میں ہونا چاہیے۔

ان تمام کے برعکس سیدہ عائشہؓ، سیدنا ابن عباسؓ،علیؓ،جابر بن عبداللہؓ ، عطاءؒ ، طاؤسؒ، حسن بصریؒ،عمرؒ بن عبدالعزیز اور تمام اہل الظواہر اس بات کے قائل ہیں کہ عورت اپنا زمانہ عدت جہاں چاہے گزار سکتی ہے اور اس زمانے میں سفر بھی کر سکتی ہے۔(تفہیم القرآن جلد اوّل ص:180)

اس آیت (البقرہ : 240) میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو،اپنی وفات سے پہلے وہ اپنی عورت کے بارے میں ضرور یہ وصیت کر جائے کہ اسے گھر سے ایک سال کے عرصہ تک کم از کم نہ نکالا جائے اور ایک سال تک اسے اجازت ہو کہ وہ اس کے مال سے اخراجات کرے اور اگر وہ مناسب سمجھتی ہے کہ اس کے حالات ابھی نکاح ثانی کے لیے مناسب نہیں یا اس کے جذبات ابھی تک مجروح ہیں تو ایک سال تک گھر میں رکی رہے۔لیکن یہ حق عورت کا ہے اور چار ماہ دس دن کی عدت گذارنے کے بعد بہرحال وہ آزاد ہو جاتی ہے اور اگر وہ گھر سے نکلنا چاہے تو نکل سکتی ہے۔کیونکہ عدت تو اس پر فرض ہے اور (بعد میں بطور مسکن) اس گھر میں رہنا اس پر فرض نہیں ہے۔بعض مفسرین نے یہ کہا کہ یہ آیت،آیتِ عدت کے ذریعہ منسوخ ہو گئی ہے۔لیکن میرا خیال یہ ہے کہ نسخ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دونوں آیات کے محل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں عدت اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے، جو اس نے ادا کرنا ہے اور ایک سال کا عرصہ اس کا حق ہے جس کا استعمال کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔ (فی ظلال القرآن جلد اوّل ،ص : 392)

مجھ سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا،کہا ہم کو روح بن عبادہ نے خبر دی،کہا ہم سے شبل بن عبادہ نے،انہوں نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے کہا کہ اس آیت (234) میں وفات کی عدت کا بیان ہے یہ عدت عورت کو خاوند کے گھر والوں کے پاس کرنا واجب ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (240) اُتاری۔اس میں اللہ تعالیٰ نے سات مہینے بیس دِن بڑھا کر سال پورا کر دیا،یعنی خاوند کے مرنے کے بعد ایک سال تک عورت کو اختیار ہے چاہے وصیت کے مطابق ایک سال تک خاوند کے گھر والوں کے پاس رہے،چاہے تو وہاں سے نکل جائے۔غیر اخراج کا یہی مطلب ہے کہ خاوند کے عزیزوں کو عورت کا نکال دینا درست نہیں (جب تک ایک سال پورا نہ ہو) اگر وہ خود نکل جائے تو خاوند کے عزیزوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔لہٰذا چار مہینے دس دن تک تو سسرال میں عدت کرنا واجب ہے اور باقی سات مہینے بیس دن عورت کا اختیار ہے۔

عطاءؒ بن ابی رباح کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت (234) نے اس عدت کو منسوخ کر دیا جو آیت (240) میں بیان کی گئی ہے۔(ایک سال کی عدت کو) اب عورت کو اختیار مل گیا جہاں چاہے وہاں عدت کرے (خواہ سسرال میں خواہ میکے میں) اور یہ قول غیر اخراج بھی منسوخ ہو گیا۔عطاءؒ نے یہ بھی کہا کہ عورت کو اختیار ہے خواہ خاوند کے گھر میں عدت کرے جیسے کہ اس نے وصیت کی ہو،خواہ وہاں سے نکل کر اور کہیں عدت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر عورتیں دستور کے موافق اپنے فائدے کی کوئی بات کریں تو خاوند کے وارثو! تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔''

عطاءؒ نے کہا اس کے بعد پھر میراث کی آیت اُتری اور اس نے بھی خاوند کے گھر میں خواہ مخواہ رہنے کو منسوخ کر دیا۔اب عورت (وفات کی) عدت جہاں چاہے وہاں کرے اور ایسی عورت کے مسکن کا خرچ عدت تک خاوند پر لازم نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری،کتاب التفسیر)

... سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمانؓ سے کہا کہ یہ سورۃ البقرہ کی آیت **والذین ...... غیر اخراج** تک (آیت 240) تو دوسری آیت سے منسوخ ہے اس کو آپ نے (مصحف میں) کیوں لکھوایا، چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے کہا،'اے میرے بھتیجے! میں کسی آیت کو اس کے ٹھکانے سے بدلنے والا نہیں۔' (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

"**والذین یتوفون منکم**" سے جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ عورت کی عدت ایک برس تک ہوتی تھی۔ اور تب اس کے لیے میراث نہ تھی تو خاوند کو حکم تھا کہ مرض الموت میں برس بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے۔ پھر یہ حکم اس آیت جو کہ پہلے آئی ہے "**اربعہ ا شھر و عشرا**" سے منسوخ ہوگیا۔ دو باتیں تھیں ایک خرچ سال بھر کا دوسرے مکان سال بھر رہنے کے لیے۔ اب آیتِ میراث نے جب کہ بیوہ کا حق آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر کر دیا تو وصیت کرنا بھی جاتا رہا۔ اسی طرح مکان دینا بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضروری نہ رہا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مکان دینا چاہیے۔ ابومسلمؒ، اصفہانیؒ اور مجاہدؒ وغیرھما کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لیے برس بھر کے خرچ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر مرے اور عورت برس سے پہلے نکل کر (بشرطیکہ چار مہینے دس دن کی عدّت پوری کر چکی ہو) برخلاف وصیتِ شوہر دستور کے موافق نکاح کر لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ وصیت لازم نہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لازم تھی۔ (تفسیر حقّانی، سورۃ البقرہ)

''اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے، موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک ان کو نان نفقہ دیا جائے ''**مَتَاعاً اِلَی الْحَوْلِ**'' میں اس کو یوں بیان فرمایا ہے، یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہوگیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک یہ شوہر کے گھر سے نہ نکالی جائے، ''**غیر اخراج**'' میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر

میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے۔ **فَاِنْ خَرَجْنَ** میں اسی کو بیان فرمایا ہے' یہ حکم آیتِ میراث نازل ہونے سے پہلے تھا، جب میراث کا حکم نازل ہوا اور شوہر کے مال میں بیوی کا حصہ بطورِ میراث مقرر کر دیا گیا تو ایک سال تک اسے نان نفقہ دیے جانے کا حکم منسوخ ہوگیا اور یہ حکم ہوگیا کہ میراث لے لے اور خرچہ اسی میں سے کرے البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے۔ نہ اس میں سے نکلے، نہ نکالی جائے۔'' (انوار البیان)

زمانہ جاہلیت میں وفاتِ زوج والی کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں بجائے ایک سال کے چار مہینے دس دن مقرر ہوئے جیسا کہ ماقبل میں آیت:

''**يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا** سے معلوم ہو چکا ہے مگر اس میں عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور بیوی کا کوئی حصہ میراث میں مقرر نہ ہوا تھا، بلکہ اوروں کے حق کا مدار محض مرحوم شوہر کی وصیت پر تھا۔''

جیسا کہ آیت **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ** کی تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اس لیے یہ حکم ہوگیا تھا کہ اگر عورت اپنی مصلحت سے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور اسی کے ترکہ سے اس مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے گا۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے، اور خاوندوں کو حکم ہے کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں، اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا، اس کو اس کے وصول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لیے وارثوں کو تو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا لیکن خود اس کو جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثاء کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے اور پھر نکاحِ ثانی کرنا بھی درست تھا اور یہی مراد ہے قاعدہ کی بات سے، البتہ عدت قبل از وقت ترک کر دینا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا، عورت کے لیے بھی اور جو منع کر سکنے والا ہو اور پھر بھی نہ روکے اس کے لیے بھی، پھر جب آیتِ میراث نازل ہوئی، گھر بار ترکہ میں سے عورت کا حق مل گیا، لہٰذا وہ اپنے حصے میں رہے اور اپنے حصہ سے خرچ کرے۔ (معارف القرآن)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مسکن کے معاملہ کے مختلف پہلو

مذکورہ آیات کے بارے میں مختلف مفسرین وفقہائے کرام کے اقوال سے مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

- بعض نے لفظ ''وصیۃ'' سے یہ سمجھا کہ شوہر وصیت کر جائے ،بعض کے نزدیک یہ وصیت اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں (یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے،وفات اچانک بھی ہوسکتی ہے وصیت کا موقع ملے بغیر۔نیز بیماری میں بھی عموماً انسان صحت بحال ہوجانے اور زندہ رہنے ہی کا گمان رکھتا ہے۔اگر وصیت کا خیال آ بھی جائے تو عوام الناس کی اکثریت دینی تعلیم کی کمی کی وجہ سے وصیت کو مال اسباب ہی کے معاملہ میں لیتے ہیں)۔
- کچھ لوگوں کے خیال میں آیت نمبر: 240 جس میں ایک سال کا فائدہ اٹھانے کا ذکر ہے،منسوخ ہے کچھ کے نزدیک نہیں ہے۔
- ترجمہ کرنے میں بعض علماء کرام نے آیت نمبر: 240 میں لفظ ''**متاعًا**'' سے مراد ''نان نفقہ'' لیا جبکہ کچھ دوسرے حضرات نے ''**الی الحول**'' کی موجودگی میں ایک سال کا ''فائدہ اٹھانے'' کے معنوں میں لیا۔
- اسی طرح بعض مفسرین کے نزدیک آیتِ میراث نے اس ایک سال کے مسکن کو بھی منسوخ کردیا۔(جس میں بیوہ،مرحوم شوہر کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں ترکہ کے مال میں آٹھویں حصے کی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی مال کی وارث ٹھہری)

قرآن واحادیث کی روشنی میں ان تمام پہلوؤں پرغور کرنے سے بیوہ کے مسکن کے معاملے میں جو رہنمائی ملتی ہے وہ اس طرح سمجھ آتی ہے:

o بیوہ خواہ سسرال میں رہ رہی ہے،جہاں ساس،سسر یا ان میں سے کوئی ایک بھی موجود ہے،خواہ دیور،جیٹھ،نندیں یا دیگر سسرالی رشتہ دار بھی ہیں یا پھر یہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ

الگ رہتی تھی مگر مکان سسرال والوں میں سے کسی کا ہے تو بہرصورت اسے عدت چار ماہ دس دن وہاں ہی گزارنی ہے.....البتہ اگر مرحوم شوہر نے وصیت کر رکھی تھی اور سسرال والے بھی اس پر آمادہ وراضی ہیں تو شوہر کی وفات کے بعد ایک سال یہاں پورا کرسکتی ہے۔یہ مہلت اسے اپنے الگ رہائش کا انتظام کرنے کے لیے کافی ہوگی کیونکہ چار ماہ دس دن کی عدت میں اسے باہر نکلنے میں رکاوٹ تھی وہ عرصہ ختم ہوتے ہی اب فوراً اپنی رہائش کا بندوبست کرنا بہت مشکل کام تھا جبکہ یہ کام مردوں کو کرنے میں بھی ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔

o بیوہ کسی مالی تنگی کا شکار ہے اور مرحوم شوہر کا مال کسی ایسی تجارت یا کاروبار میں لگا ہوا ہے جو چار ماہ دس دن کی عدت کے بعد بھی کچھ ماہ تک اسے قانونی اور شرعی وراثت کی رو سے ابھی نہیں مل پاتا تو اس صورت میں وہ کہاں رہے؟ (بالفرض اس کا میکہ بھی نہ ہو،اور اگر ہو تو اسے بمعہ عیال کوئی رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو) لہٰذا بہت سے اس قسم کے حالات میں ایک سال کی مہلت والا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور آسانی معلوم ہوتا ہے۔

> عربوں کے ہاں ایک تو مشترکہ خاندانی نظام رائج نہ تھا دوسرے ان میں کسی کو بے نکاح نہیں رہنے دیا جاتا تھا۔ظہورِ اسلام کا زمانہ تھا،وہ مثالی معاشرہ جو قرآن اور سنتوں سے تشکیل دیا گیا تھا ابھی عملی نمونے کے طور پر موجود تھا اس لیے عدت کی مدت گزرتے ہی بے آسرا عورت کو نکاحِ ثانی کی صورت میں کوئی نہ کوئی ٹھکانہ مل جاتا تھا۔ہمارے معاشرے میں چونکہ صورتحال مختلف ہے اس لیے بھی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

o بیوہ جس گھر،جس خاندان میں اپنے شوہر کی وفات کی عدت پورے احترام اور شرعی احکامات کی پابندی کے ساتھ گزارتی ہے وہاں اس گھر والوں کا دینی اور اخلاقی فریضہ بن جاتا ہے کہ وہ اسے اور اس کے بچوں کو (ضرورتاً یا مجبوراً) کم از کم ایک سال اپنی سرپرستی،محبت اور شفقت کی فضا میں گزارنے دیں۔اسلام میں بیوہ اور یتیم بچوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے کی ویسے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بھی بہت فضیلت ہے۔

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
> ''بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اور ان کی خدمت کرنے والا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں کوشش (جہاد) کرنیوالا، اور یہ بھی فرمایا: جیسا وہ نمازی جو نماز سے نہیں تھکتا اور جیسا کہ وہ روزہ دار جو روزہ سے کبھی ناغہ نہیں کرتا۔''
> (صحیح بخاری، کتاب الادب)

- بسا اوقات یتیم بچوں کے دادا دادی خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ پسماندہ خاندان اب اُن کے ساتھ ہی رہے اور بیوہ بھی اپنے ان بچوں کی خاطر نکاحِ ثانی نہیں کرنا چاہتی۔
- بہرحال بیوہ اگر نوجوان ہے، اور یہاں اس کے عدت پوری کر لینے کے بعد (بہت سے غیر محرموں کی موجودگی میں) مزید ٹھہرنا مناسب معلوم نہیں ہو رہا یا دوسرے نکاح کی پیشکش کا امکان ہے اور اس کا میکہ بھی موجود ہے یا بیوہ مالدار ہے، بچے چھوٹے ہیں اور وہ الگ ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ تو اس کے لیے یہاں سسرال میں سال بھر کا قیام پورا کرنا ضروری نہیں۔
- البتہ خرچ، اخراجات کے لیے مال نہیں، بچے چھوٹے ہیں، رشتہ داروں کی طرف سے بھی کفالت کا کوئی ایسا بندوبست نظر نہیں آ رہا، تو اس سال پورا کرنے کا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ابھی ہمت سلامت ہے، کچھ کمانے کا مناسب انتظام کرے اور سال پورا ہونے پر پھر الگ ہو رہے۔
- ایسی عورت بیوہ ہو جائے جس کے بچے بالغ ہیں، کماتے ہیں اور خود مختار ہیں اور وہ (بیوہ) نکاح کی عمر سے بھی گذر چکی ہے تو وراثت کی تقسیم کے بعد بھی اگر بچے اپنی بیوہ والدہ کو اپنے پاس ہی اسی گھر میں رکھنا یا اپنے اپنے الگ گھروں میں باری باری رکھنا پسند کرتے ہیں یا پھر خود ان کی بیوہ والدہ ان میں سے کسی بھی ایک کے ہاں مستقل رہنے میں راحت و سہولت محسوس کرتی ہیں تو نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ اولاد کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔
- اسلامی شریعت کی رُو سے اولادِ نرینہ ہی کے ہاں رہنا اگرچہ لازمی شرط نہیں مگر ہمارے معاشرے میں معروف ہے کہ لڑکے ہی سنبھالتے ہیں۔

بالفرض بیٹے نہیں ہیں اور بیٹی و داماد بخوشی اور بطورِ صلہ رحمی، عزت واحترام سے رکھ سکتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ بیوہ کے بھائی یا میکے میں کوئی اور محرم رشتہ دار ہوں جو اسے نیک کام سمجھ کر نبھا سکیں، اس لیے کہ بحیثیت عورت بیوہ کو تحفظ کی بھی ضرورت ہے اور بڑھاپا اور اس کی تکالیف میں بھی بہرحال کسی کو اس کی خدمت اور دیکھ بھال کرنی ہے، جو اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔

- بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد وہ مکان بھی وراثت کی تقسیم میں لگانا پڑتا ہے جس میں یہ خاندان رہ رہا تھا (یعنی یہ مکان نہ تو بیوہ عورت کی ذاتی ملکیت ہے، نہ بیوہ کے لیے مرحوم شوہر نے زندگی میں اسے ہبہ کیا تھا) البتہ اگر یہ شوہر اور بیوی دونوں کا مشترکہ یعنی دونوں کے نام تھا تو اس صورت میں بھی بیوہ اسی مکان میں عدت کے دن پورے کرے گی۔ اس کے بعد، اگر مالدار ہے کہ دوسرا نصف بھی خرید سکتی ہے اور پھر اسی مکان میں قیام کرنا چاہتی ہے تو اس پورے مکان کی قیمت لگوا کر نصف میں سے 1/3 وصیت کا نکال کر 1/8 اپنے لئے اور بقایا سات حصے اولاد کے لیے نکالے گی (اگر بیوہ بے اولاد ہے تو اس کا حصہ 1/4 ہے)۔
- بیوہ کے بچے چھوٹے ہوں اور وہ نکاحِ ثانی بھی نہیں کرنا چاہتی اور شوہر کا چھوڑا ہوا گھر ان کی ضرورت سے اتنا بڑا ہو کہ یہ نصف گھر کرایہ پر دے کر آسانی سے باقی کچھ حصے میں گزر بسر کر سکیں، تو ان یتیم بچوں کے خرچ، اخراجات کے لیے یہ ایک بہترین ذریعہ آمدنی ثابت ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس میں سے جو زائد از ضرورت ہو یا کسی بھی قسم کی دیگر اموال واملاک ہوں تو انہیں کسی کاروبار (بلاسود) وغیرہ میں لگا دیا جائے۔ پھر جب وہ بالغ اور خود مختار ہو جائیں، تو ان کی وراثت کی امانت شرعی تقسیم کے مطابق ان کے حوالے کر دی جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اور یتیموں کو سدھارتے، آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ قابلِ نکاح عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر تم ان کے اندر اہلیت اور حسن تدبیر پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو...'' (النساء: 6)

(یتیموں کے بارے میں مزید صفحہ 79 سے 113 تک ملاحظہ فرمائیں)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیوہ والدہ

اب یہ اولاد جس کی پرورش اور دیکھ بھال کی خاطر بیوہ نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ لگا دیا، کا فرض ہے کہ اپنی والدہ کو عزت واحترام سے اپنے پاس رکھیں۔ یہ نہ صرف اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بدلے میں ان کو بھی ایسی ہی نیک اور فرمانبردار اولاد سے نوازیں گے، ان شاءَ اللہ۔ اور ایسے فرمانبرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے انعام کا بھی وعدہ فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً لا قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ج اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ط وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ (الاحقاف:15,16)

" اور ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں اُٹھا رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا، اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑا دینے کا کل زمانہ تیس مہینے کا ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا تو کہنے لگا' اے میرے رب! مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو آپ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے۔ اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ خوش ہوں۔ اور آپ میری اولاد کو بھی صالح بنایئے، میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور

میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں'۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال ہم قبول کرتے اور بُرے اعمال سے درگزر کرتے ہیں' یہ جنت والوں میں سے ہوں گے، اس سچے وعدے کے مطابق جوان سے کیا گیا ہے۔"

احادیثِ رسول ﷺ ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب الادب)

"جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کے اور اس شخص کی محبت (جن کو وہ محبوب رکھتا ہے) کے درمیان قیامت کے دن جدائی ڈال دے گا۔"
(جامع ترمذی، کتاب البیوع)

"..نبی اللہ ﷺ نے ماؤں کو ستانے سے منع فرمایا ہے..." (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام/الادب)

بڑھاپے کی بیوگی

بڑھاپے کی بیوگی میں البتہ اولاد کے لئے اس امر کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ عمر کے جس حصے سے بیوہ والدہ گزر رہی ہیں وہ نہ صرف ان سب کیلئے رحمت وشفقت کا باعث ہے بلکہ ساتھ ہی بہت صبر اور درگزر کا متقاضی بھی ہے کیونکہ اس عمر میں بزرگ لوگ عموماً ضعیفی اور بیماریوں کی وجہ سے پہلے سے زیادہ حساس اور توجہ کے طالب ہو جاتے ہیں، لہٰذا بزرگ بیوہ والدہ سے ایسا حسن سلوک کیا جائے کہ ان کو کسی طرح کی اذیت نہ ہو۔ والدہ ویسے بھی اولاد کی قربت، اخلاق اور احسان کی تین درجے زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح بیوہ والدہ کی ذاتی ضروریات، دلچسپیاں، پسند ناپسند، کا خیال رکھنا، ان کے طعام، آرام اور عبادت کے اوقات کار کے مطابق ان سے تعاون کرنا، یہ سب اولاد کے فرائض میں داخل ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا، اس فریضہ کی ادائیگی کا مثبت پہلو یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ اپنے بچوں کی بھی بالواسطہ تربیت ہوتی رہتی ہے۔ آج وہ جس خدمت کا عملی مظاہرہ دیکھ رہے ہیں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کل وہ خود اپنے والدین یعنی آپ کے لیے بھی شوق سے ایسا کریں گے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی جتنی ہمارے دین میں تاکید آئی ہے کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بہت سی آیات اور احادیث بھی اس پر موجود ہیں۔ والدین اور خصوصاً ماں کے احسانات اور قربانیوں کا بدلہ اور حق اسی طرح پورا ہوسکتا ہے کہ تمام زندگی ان کے ساتھ ہر قسم کی بھلائی و خیر خواہی کی جائے۔ نیز ان کے بڑھاپے کی کمزوری، نقاہت اور بے بسی میں بھر پور خدمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اُسی کی سکھائی ہوئی یہ دعائیں بھی کیا کریں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْراً ○ (بنی اسرائیل: 24)

"اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرمایئے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔"

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراھیم: 41)

"اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین اور سب مومنوں کو حساب قائم ہونے کے دن بخش دینا۔"

.. رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ .. (الاحقاف: 15)

"اے میرے رب! مجھے توفیق عطا کیجیے کہ میں ان نعمتوں پر جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں، شکر ادا کرتا رہوں، اور میں ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہوں، اور میرے لیے میری اولاد کو بھی صالح بنا دیجیے۔"

دوسری طرف بیوہ والدہ کو بھی چاہیے کہ (جو اولاد محبت اور احترام سے اپنے پاس رکھتی ہے) ان کی زندگی کی مصروفیات، مشکلات اور مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے خوش دلی، تعاون اور باہم الفت سے گذارہ کرتی رہیں تاکہ دونوں کے مابین لطف و کرم کا معاملہ رہے اور ہر فرد کی زندگی اصلاح، سلامتی اور کامیابی کی طرف گامزن رہے۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری

بالفرض ایک عورت کا شوہر ایسے حالات میں وفات پا جاتا ہے کہ اس کے پاس نہ مال اسباب ہے، نہ اپنا رہنے کا ٹھکانہ، نہ اولاد ہے نہ میکہ، نہ سسرال اور وہ پڑھی لکھی بھی نہیں، نہ ہی کوئی خاص ہنر جانتی ہے کہ کچھ کما سکے۔ (جنگوں کے بعد اور آفت زدہ علاقوں سے نقل مکانی کر کے آنے والی بیوائیں بھی شامل ہیں) تو ایسے میں کیا ہو؟ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول (تفسیر مظہری میں نقل کیا گیا) ہے ...'' کہ اگر مرحوم شوہر کے مکان میں سے اس عورت کا اتنا ہی حصہ ہے کہ وہ اسے کافی نہیں ہوتا اور باقی ورثاء اپنے حصہ میں سے اسے نکالتے ہیں (سوتیلے یا گمراہ ہیں اور اس بیوہ عورت کو نہیں دیتے ہیں) تو یہ عورت وہاں سے چلی آئے، کیونکہ یہ آنا ایک عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر کا اثر ہوتا ہے۔ پس یہ ایسی صورت ہوگئی کہ جیسے کسی عورت کو مکان کے گرنے کا ڈر ہو یا وہ کرایہ پر رہتی تھی اور کرایہ دینے کو کچھ نہیں ہے۔''

مذکورہ بالا حالات میں وہ کہاں چلی آئے اور کدھر نکل جائے؟

ایسی صورت میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی بیواؤں کے لیے ''ہومز'' یا ایسے ادارے تشکیل دے جہاں انہیں نہ صرف سر چھپانے کی جگہ اور تحفظ ملے بلکہ انہیں ہنر مند بنا دیا جائے تاکہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک بہتر زندگی کا آغاز کر سکیں۔

بیوہ فنڈز یا بیوہ ویلفیئر سکیم

اسی طرح اسلامی معاشرے میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر انفرادی یا مشترکہ ذرائع سے بیوہ فنڈز قائم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر علاقے میں بیوہ ویلفیئر سکیم کے نام سے ادارے قائم کئے جائیں جنہیں اسی علاقے کی خواتین چلائیں مگر اسے ریاست ہی کی سرپرستی حاصل ہو۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایسے بہت سے اداروں کی بنیاد رکھی اور بیواؤں کے لیے باقاعدہ وظیفے مقرر کیے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

4) عدت میں باہر نکلنا

بیوگی کا المیہ ایسا غم ہے جو بے سکون کر دیتا ہے جبکہ گھر کو اللہ نے سکون کی جگہ قرار دیا ہے ۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا .. (النحل : 80)

''اور اللہ نے تمھارے لیے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا ہے۔''

لہٰذا کم از کم عدت تک، جتنا ممکن ہو سکے، گھر میں ٹھہرے رہنا بیوہ کو پر سکون (نارمل) ہونے میں مدد دیتا ہے۔ اسی لیے عدت گذارنے والی بیوہ کو بلا ضرورت باہر نکلنے سے منع اور زیادہ تر اپنے گھر ہی میں قیام کرنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، جو کہ اسی کے فائدے کے لیے ہے۔

البتہ اس قول پر سب متفق ہیں کہ اگر اسے ضرورتاً نکلنا بھی پڑے تو رات اپنے اسی گھر میں ہی گزارنی چاہیے جس میں وہ مرحوم شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔

اس حدیث سے اس کی دلیل ملتی ہے :

''کچھ عورتیں جن کے شوہر اُحد میں شہید ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا، 'یا رسول اللہ ! ہم رات کو اپنے گھروں میں تنہائی محسوس کرتی ہیں، کیا ہم اپنے گھروں میں سے کسی ایک کے گھر میں اکٹھے رات گزار لیا کریں اور دن کو ہم میں سے ہر کوئی اپنے اپنے گھر کو واپس چلی جائے؟' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، 'تم سب دن میں البتہ اپنے گھروں میں سے کسی ایک کے گھر میں بات چیت کرنے اکٹھی ہو جایا کرو لیکن جب (رات) سونے کا وقت آئے تو ہر کوئی اپنے اپنے گھر کو لوٹ جائے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی : 437/7)

ایک اور حدیثِ رسول ﷺ ہے :

ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہؓ بنت مالکؓ نے اپنے شوہر کے قتل کیے جانے کے بعد نبی ﷺ سے اپنے میکے چلے جانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے گھر میں رہو جب تک کہ عدت پوری ہو۔'' (بحوالہ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق : 2300)

مندرجہ بالا حدیث میں :

(۱) مسکن کے لیے (پوری عدت میکہ میں گزارنے) کا معاملہ تھا۔

(۲) سفر کا معاملہ تھا (اغلب امکان ہے اگرچہ حدیث سے واضح نہیں ہوا) اس لیے بھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں میکے جانے سے روکا۔ ورنہ پہلی حدیث میں دن میں ضرورتاً نکلنے اور رات سے پہلے گھر آ جانے کی رخصت ہے۔

بعض علاقوں میں گھر سے باہر کے کام مثلاً مویشی سنبھالنا، کھیتی باڑی، فصلوں کی رکھوالی وغیرہ، مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی کرتی ہیں۔ شوہر کی وفات کے بعد ان سب کی دیکھ بھال کے لیے گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تو ظاہر ہے کہ بیوہ ہی کو نکلنا پڑے گا۔

اسی طرح جو خواتین پہلے سے کوئی نہ کوئی ملازمت کرتی تھیں یا اب مال و پونجی نہ ہونے کے سبب کسبِ معاش کی جستجو کے لیے نکلنا ان کی مجبوری بن گیا ہو، تو حدود کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے نکل سکتی ہیں۔

علاج کی غرض سے کلینک یا ہسپتال اس صورت میں جا سکتی ہیں جب کہ معالج یا معالجہ گھر پر نہ آ سکتے ہوں۔

(یہ سب اشد ضرورت اور مجبوری کے تحت ہوگا، جس کی بنیاد تقویٰ پر لازم ہے)

... وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o (الشمس :7,8,9,10)

''اور نفس کی قسم! اور اسے درست بنانے کی! پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی! جس نے اسے پاک رکھا، وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا، وہ ناکام ہو گیا۔''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باہر نہ نکلنے کی حکمتیں

• دراصل اس پابندی کی حکمت اس حکم سے بھی جاملتی ہے جس میں ہے کہ'' بیوہ عدت کے دوران نکاح نہ کرے''۔ دوسرے الفاظ میں اگر وہ کثرت سے باہر نکلنا شروع کر دے اور نگاہوں میں آنے لگے تو بہت ممکن ہے اس دوران نکاح کی پیشکش تک نوبت جا پہنچے جو کہ عدت میں منع ہے۔ اسی لیے بہتر سمجھا گیا کہ بیوہ یہ عرصہ ممکنہ حد تک گھر ہی میں گزارے۔

بلاضرورت گھروں سے نکلتے رہنا یوں بھی ناپسندیدہ ہے، جو کہ احادیث سے بھی ثابت ہے۔

صحابی عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا،'یا رسول اللہ! کس چیز سے نجات ہو جائے گی؟'

انہوں نے فرمایا،''اپنی زبان کو (بری باتوں) سے روکو اور تمہارا گھر ٹھہرنا (بلاضرورت دوڑ دھوپ کی بجائے) تمہیں کافی ہو اور اپنی خطاؤں کو یاد کر کے روتے رہو۔'' (سنن ترمذی، کتاب الزہد)

''عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے۔ یہ جب اپنے گھر سے (بے پردہ اور بلا مقصد) باہر قدم نکالتی ہے تو اسے شیطان تاکنے لگتا ہے۔'' (سنن ترمذی، کتاب الرضاع)

• بیوہ عورت خصوصاً جوان بیوہ جس کا اور کوئی محرم بھی نہ ہو اور ابھی اسے معاشرتی تحفظ کا بھی کوئی فوری بندوبست میسّر نہ آسکا ہو، جلد بیرونی فتنوں کی زد میں آسکتی ہے۔

لہٰذا ایک مخصوص اور محدود مدت تک اس کا باہر نہ نکلنا اسی کی بھلائی کے لیے ہے۔ لیکن اس معاملے میں اتنی سختی میں پڑ جانا بھی درست نہیں کہ وہ علاج معالجہ کی غرض سے معالج تک نہ جا سکے یا بچے کو سکول سے لانے، لے جانے یا گھر کے ایسے ضروری کام جن کے لیے واقعی اس کے علاوہ اور کوئی یہ کام کرنے والا گھر میں موجود نہ ہو۔ یا اسے اس حد تک پابند کر دینا کہ ٹیریس یا چھت پر اوٹ کے باوجود بھی نہ جا سکے، یا جیسا کہ عورتیں عموماً دُھلے کپڑے ڈالنے یا رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کے لیے اپنے گھر کے برآمدے میں نکل لیتی ہیں، اسی طرح گھروں میں لوگ شام کو لان میں کرسیاں ڈال کر موسم کی تلخی دور کرنے کو کچھ دیر بیٹھ رہتے ہیں۔

بعض برادریوں میں بیوہ خاتون کے لیے عدت کے دوران گھر میں کسی کوٹھری یا الگ تھلگ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کمرے میں بیٹھ رہنے کو ضروری جانا جاتا ہے، اور گھر کے اندر بھی زیادہ چلنے پھرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہ رویہ بھی شرعی حکم کی رو سے درست نہیں۔ حقیقتاً نہ تو دین میں اتنی سختی ہے اور نہ ہی بیوگی کوئی سزا ہے۔ البتہ بیوہ کو سادگی، وقار اور حدود کی ہر صورت پاسداری نبھانا ہوگی۔

عورتوں کا (عدت کے علاوہ) ضرورتاً باہر نکلنا

سیّدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیّدہ سودہؓ بنت زمعہ ایک رات کو باہر نکلیں تو سیّدنا عمرؓ انہیں دیکھ کر کہنے لگے،'سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا، تم اپنے آپ کو ہم سے چھپا نہ سکیں (ان کا قد لمبا تھا اور وہ الگ سے پہچانی جاتی تھیں)۔' وہ نبی ﷺ کی طرف لوٹیں اور ان سے یہ سب بیان کر دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اسی وقت آپ ﷺ پر وحی اُترنے لگی، پھر یہ حالت جاتی رہی اور وہ فرمانے لگے:

''(اے عورتو!) اللہ تعالیٰ نے تم کو کام کاج کے لیے (ضرورتاً) باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الوضو)

بیشتر احادیث مبارکہ سے عورتوں کا ضروری کام کاج کی غرض سے باہر نکلنا، جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، مجاہدین کو کھانا، پانی وغیرہ پہنچانا ثابت ہے۔

''ام عمارہؓ (خاتونِ اُحد) معرکہ اُحد میں دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ ام عمارہؓ نے یہ دیکھا تو مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور پھر آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر دیگر مجاہدین کے ساتھ مل کر دشمن کے وار کو روکتی رہیں۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم ڈگمگا گئے یہ بہادر اور جانثار خاتون ڈٹی رہیں اتنے میں ایک مشرک نے ان کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ ام عمارہؓ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا

پھراس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھر پور وار کیا کہ گھوڑا اور سوار دونوں نیچے آرہے، عین اسی وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ''ام عمارہ ! سنبھلنا۔''

یہ وہی بد بخت تھا جس نے ان کے بیٹے عبداللہؓ کو کچھ ہی دیر پہلے زخمی کر دیا تھا۔ ام عمارہؓ جوش و غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

سرورِ عالم ﷺ یہ دیکھ کر متبسم ہوئے۔ اسی جنگ میں ایک دشمن نے نبی اللہ ﷺ پر حملہ کر کے ان کو زخمی کیا تو ام عمارہؓ بیتاب ہو گئیں اور اس پر نہایت جرأت سے حملہ آور ہوئیں۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا بھاگ گیا۔ ام عمارہؓ زخمی ہو چکی تھیں آپ ﷺ نے ان کے زخم پر پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہؓ کا نام لے کر فرمایا:

''واللہ آج ام عمارہ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔'' (تذکارِ صحابیات)

5) دورانِ عدت سفر

شوہر کی وفات کے بعد عورت کو چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا چاہیے اور گھر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر نہیں جانا چاہیے، البتہ وہ شوہر کی وفات کے وقت گھر سے دُور اس کے ساتھ تھی یا اسے کسی ایسی جگہ وفات کی خبر ملی جو گھر سے دُور دراز ہے تو ایسے میں وہ سفر کر کے گھر واپس آسکتی ہے یعنی باہر سے گھر اور مسافرت سے وطن منتقل ہو سکتی ہے۔

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کی ایک بہن کا نام امِّ کلثومؓ تھا اور وہ طلحہؓ سے بیاہی تھیں۔ جنگِ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں، طلحہؓ نے وہاں شہادت پائی۔ عام خیال کے مطابق ان کو عدت کا زمانہ وہیں بسر کرنا چاہیے تھا لیکن سیّدہ عائشہؓ ان کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئیں۔ راستے میں مکہ معظّمہ میں بھی ان کا قیام رہا۔ لوگوں میں اس کا چرچا پھیلا۔ ایوبؒ ایک تابعی تھے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر آنا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے تو مسافرت سے ان کو وطن منتقل کر دیا ہے۔'' (ابن سعد، ص: 339، کتاب سیرت عائشہؓ)

دورانِ عدت حج کا سفر

امّ معقلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے میرے شوہر (ابو معقلؓ) نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ ابو معقلؓ بیمار ہوئے اور وفات پا گئے پھر جب رسول ﷺ حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس تشریف لائے تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''اے امّ معقل! تم ہمارے ساتھ حج پر کیوں نہیں گئیں؟''

میں نے عرض کیا، 'یا رسول اللہ! ہم نے حج پر جانے کی تیاری کر لی تھی کہ ابو معقل کا انتقال ہو گیا اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کیا کرتے تھے۔ لیکن ابو معقل نے (وفات سے قبل) وصیت کر دی تھی کہ یہ اونٹ ''اللہ کی راہ'' میں صدقہ ہے۔'

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''تم نے اسے لے کر حج کا سفر کیوں نہ کر لیا اس لیے کہ حج بھی اللہ کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب المناسک)

معتدہ (عدت والی) کے لیے دورانِ عدت حج کے لئے نکلنے پر فقہاءِ کرام کے درمیان بعض پہلوؤں پر مختلف آراء ہیں، جو یوں ہیں:

- **حنفی مسلک:** حنفیوں کے نزدیک عورت کے حج پر جانے کا جواز اس صورت میں ہوتا جب اس پر عدت کی وجہ سے ایک جگہ قیام کرنا واجب نہ ہوتا (چونکہ حج میں قیام ایک جگہ نہیں ہوتا) لہٰذا اگر عورت شوہر کی موت کی بناء پر یا طلاق کی وجہ سے عدت میں ہو تو وہ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔
- **مالکی مسلک:** مالکیوں کے نزدیک بھی عورت اگر طلاق یا شوہر کی وفات کی بناء پر عدت میں ہو تو اس کے لیے اس گھر میں ٹھہرنا واجب ہے جہاں وہ عدت گزار رہی ہے اور حج کا احرام باندھنا اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں اسے وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا جہاں وہ عدت گزار رہی ہے جبکہ اس کا اس گھر میں ٹھہرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت عدت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کے دوران حج کا احرام باندھ کر روانہ ہو جائے تو اس کا حج صحیح ہو گا اگرچہ گناہ گار ہو گی۔ احرام باندھنے کے بعد اسے چاہیے کہ حج کے تمام مناسک پورے کرے اور اس گھر میں نہ ٹھہرے جہاں عدت گزار رہی تھی۔

- **حنبلی مسلک:** ابنِ قدامہؒ نے المغنی میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک عورت اگر وفات کی عدت گزار رہی ہے تو وہ حج کے لیے نہ جائے کیونکہ وفات کی عدت میں عورت کے لیے گھر میں ٹھہرنا واجب ہے۔
- **شافعی مسلک:**

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ..

(الطلاق :1)

اے نبی (ﷺ) ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے زمانہ عدت میں نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اِلَّا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں اور یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض شافعی علماء نے کہا ہے اگر عورت ایسا جرم کرے جس پر حد لازم آتی ہو تو اسے اجرائے حد کے لیے گھر سے باہر جانا ہو گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ عورت پر اگر کسی حق کی ادائیگی واجب ہو تو اس کو ادا کرنے کے لیے عدت کی حالت میں گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے لیکن اگر وہ ادائے حق کے لیے

نہیں نکل رہی بلکہ اس کا نکلنا عیش و دنیا پرستی کے لیے ہو تو یہ نکلنا ناجائز اور گناہ کا باعث ہے۔

اگر کوئی شخص اس کی دلیل طلب کرے تو دلیل یہ ہے کہ علماء کے درمیان اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ عدت گزارنے والی عورت ادائیگی حق اور اجرائے حد کے لیے باہر جا سکتی ہے اور حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کو بدکلامی کی بناء پر گھر سے نکالا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ بنتِ قیس کو نکلنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید، سنتِ نبوی ﷺ اور ان مضبوط دلیلوں کی روشنی میں اجماع سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کو اگرچہ غیر ضروری امور کے لیے گھر سے نکلنا منع ہے تاہم ایسے امور جو اس پر لازم ہیں اور جن کو ترک نہیں کیا جا سکتا، ان سے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ اور حج بھی انہی امور میں سے ایک ہے جو اس پر لازم ہیں۔ نیز اگر وہ صاحبِ استطاعت ہے، صحت کے لحاظ سے بھی اور مال کے لحاظ سے بھی۔ اور ساتھ جانے کے لیے اس کو قابلِ اعتماد عورت یا عورتوں کی رفاقت بھی (علاوہ محرم) میسّر ہے، تو اسے حج پر جانے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

دورانِ حج شوہر کی وفات

بالفرض عورت شوہر یا محرم کے ساتھ روانہ ہوئی اور شوہر یا محرم اثناءِ راہ میں فوت ہو گیا تو اس صورت میں اسے کیا کرنا ہو گا؟۔ کیا حج کو جاری رکھے؟۔ یا لوٹ آئے اور واپس گھر آکر اپنی عدتِ وفات پوری کرے؟

شافعیوں کے نزدیک محرم یا شوہر کی وفات اگر عورت کے احرام باندھنے کے بعد واقع ہوئی ہے تو اس پر لازم ہے کہ حج کو پورا کرے، بشرطیکہ اسے اپنی ذات کے بارے میں شر و فساد سے محفوظ رہنے کا اطمینان ہو۔ اس صورت میں اس کے لیے احرام کھول کر حلال ہونا حرام ہے، لیکن اگر فتنہ سے محفوظ رہنے کا اطمینان نہ ہو یا شوہر اور محرم کی موت عورت کے احرام باندھنے سے پہلے واقع ہو گئی ہو، تو گھر لوٹنا واجب ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

- المغنی میں ابنِ قدامہؒ نے لکھا ہے کہ اگر عورت کا محرم راستے میں فوت ہو جائے تو امام احمدؒ کے نزدیک اگر وہ گھر سے زیادہ دور جا چکی ہے ، تب تو سفر جاری رکھے اور حج پورا کرے یعنی اگر عورت شوہر کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئی تھی کہ راستے میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو جس شہر سے روانہ ہوئی تھی اگر وہ قریب ہے پھر تو گھر واپس لوٹ آئے ۔ لیکن اگر اپنے شہر سے زیادہ دور جا چکی ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قابلِ اعتماد رفقائے سفر کے ساتھ سفر جاری رکھے اور حج ادا کرے اور چاہے تو کسی ایسے شہر میں (کسی محرم یا عزیز رشتہ دار خاتون کے ہاں) عدت گزارنے کے لیے ٹھہر جائے ، جہاں اسے فتنہ سے محفوظ رہنے کا اطمینان ہو۔ (فقہ النساء از محمد عطیہ خمیس)

6) عدت میں نفقہ اور وراثت

- جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کے لیے نان نفقہ نہیں ہے اس پر علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں کیونکہ آیاتِ وراثت نے اسے اس کا حق (حصہ) دے دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ... (النسآء: 33)

''اور سب کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے۔''

وراثت کی تقسیم میں دیر نہ کریں

میت کے متروکہ مال کے ساتھ چار قسم کے حقوق وابستہ ہیں:

1۔ بغیر اسراف کے تجہیز و تکفین،
2۔ میت کی وصیت کا تہائی مال میں اجراء کرنا،
3۔ میت کے قرض کی ادائیگی،
4۔ جو باقی بچے اس کو شریعتِ مطہّرہ کے قوانین کے مطابق تقسیم کرنا۔

میت کے تمام مال (منقولہ وغیر منقولہ جائیداد) سے پہلے تینوں حقوق ادا کرنے کے بعد جو مال و اسباب بچتا ہے، وہی ''مالِ وراثت'' یا ''قابلِ تقسیم ترکہ'' کہلاتا ہے۔

مالِ وراثت یا ترکہ کی تقسیم وفات کے بعد جتنی جلد ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ خصوصاً جبکہ مرنے والا زندگی میں دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے وصیت اور ترکہ کی تحریری دستاویزات چھوڑ گیا ہو۔ اس سے سات طرفہ فوائد حاصل ہوتے ہیں:

فوائد

1۔ اللہ کے حکم کی اطاعت ہوتی ہے
2۔ مرنے والے کو عافیت و سکون ملتا ہے،
3۔ وارثوں کے مابین الجھنیں اور غلط فہمیاں، جو بعد میں بڑے خاندانی بگاڑ اور قطع رحمی تک پہنچ سکتی تھیں، پیدا ہی نہیں ہونے پاتیں،
4۔ بسا اوقات اولاد میں سے کوئی اس عمر کا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے والد کی وفات کے بعد روزگار کیلئے سرمایہ کی ضرورت ہو، اور وہ اس مالِ وراثت سے بروقت مستفید ہو سکنے کی وجہ سے محتاجی کا شکار ہونے سے محفوظ ہو جائے،
5۔ مالِ وراثت کی انتظام داری اور رکھوالی وغیرہ میں بھی پیچیدگیاں اور دشواریاں پیش نہیں آتیں،
6۔ وصیت کے حق داروں اور ضرورت مندوں کی بروقت حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں،
7۔ وفات اگر نوجوانی میں ہوئی ہے تو مالِ متروکہ کے فوری مستحقین میں سرِ فہرست نوجوان بیوہ اور اُس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں لہٰذا انہیں کسی اور کا محتاج نہیں ہونا پڑتا۔

یوں بھی بیوہ ابھی اس غم و اندوہ کے زمانے میں گھر سے نکل کر کچھ کمانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتی بلکہ عموماً پہلے سے کسب کرنے والی خواتین (خواہ گھریلو صنعتکاری سے تعلق رکھتی ہوں یا گھر سے نکل کر روزگار کماتی ہوں) بیوگی کے ابتدائی ایّام (عدت) میں صدمے کی وجہ سے اس کی ہمت اور قوت نہیں پاتی ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیوہ بھی تعاون کرے

وراثت کے معاملاتِ تقسیم، جو اکثر ایسے موقعوں پر التوا میں پڑے رہتے ہیں، انہیں دیندار قرابت داروں کے مشورے سے جلد از جلد طے کرانے میں بیوہ اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ بیوہ پر یہ بھی لازم ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد خواہ اس کی چھوڑی ہوئی بڑی بڑی جائیدادیں، مکان، کارخانے، روپیہ پیسہ ہو یا صرف گھریلو مال واسباب، ان سب سے 'مالِ میراث' کا معاملہ کرے۔ یہاں تک کہ خواہ ایک گز کپڑا یا ایک سوئی ہی ہو تو تمام ورثاء کے باہم مشورے اور رضامندی سے وہ تقسیم کو عمل میں لانے کے لیے تعاون کرے۔ دیگر ورثاء مثلاً میت کے والدین، بھائی یا اولاد وغیرہ پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ بیوہ کو ہراساں کرنے کی بجائے اعتماد میں لیں۔

ہمارے ہاں عموماً خواتین کو شروع سے ہی دینی معلومات سے دور رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ایسے موقعوں پر نہ صرف وہ بے یقینی کی سی کیفیت کا شکار ہو جاتی ہیں بلکہ اچانک حقائق جاننا اور ان پر فوری عمل کرنا بھی ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور بہت سی تلخیوں اور پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے۔ جن میں سرِ فہرست والدہ اور بالغ اولاد کے درمیان اس مقدس اور قیمتی رشتے (جس کا کوئی نعم البدل نہیں) پر زد پڑنا ہے۔ یوں یہ وراثت دونوں فریقین کی جملہ صلہ رحمی کے لیے ایسی سخت آزمائش بن جاتی ہے جس میں دنیا و آخرت کے خسارے کا امکان ہوسکتا ہے۔

بہرحال تمام زمین و جائیداد اور دیگر مالِ وراثت کی فہرست تیار کریں اور کسی صاحبِ علم کے مشورہ سے اس کی شرعی تقسیم کا اہتمام کریں۔ اس سلسلے میں کسی کی طرف سے کسی کے حق میں زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے دوسرے کی ایک بالشت زمین بھی ناحق غصب کرلی تو قیامت کے دن اس بالشت بھر زمین کی مٹی (اس کے نیچے کی) ساتوں زمینوں سے نکال کر اس کا طوق بنا کر اس غصب کرنے والے کے گلے میں ڈال دی جائے گی۔'' (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ایک دوسری روایت کے مطابق:

''اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین غصب کرلی تو ساتویں زمین تک اس شخص کو اس میں دھنسا دیا جائے گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب المظالم والغضب)

البتہ اگر مرحوم نے اپنی زندگی میں بیوی یا اولاد کو کچھ ہبہ کیا تھا اور اس پر تحریری یا زبانی گواہی بھی موجود ہے تو اس (ہبہ) کی حیثیت میراث کی نہیں، لہٰذا وہ شرعی تقسیم سے مستثنیٰ ہے۔

مرحوم شوہر کی ذاتی استعمال کی اشیاء

مرحوم کے قابلِ وراثت مال کی شرعی طریقے سے حق داروں میں تقسیم کرتے ہوئے کچھ ایسی چیزیں بھی بچ رہتی ہیں جو اِن کے روزمرّہ استعمال میں تھیں، مثلاً کپڑے، جوتے، اور ڈریسنگ کا سامان جس میں ٹوپی، رومال اور جرابیں تک شامل ہوسکتے ہیں۔ یہ تمام اشیاء ایسی ہیں کہ وارثوں کو بسا اوقات ان سے اس لیے دلچسپی نہیں ہوتی کہ وہ ان کے ناپ کی نہیں ہوتیں، یا ان کی ضرورت اور کام کی نہیں ہوتیں یا پھر وہ لینا ہی نہیں چاہتے۔ ایسی صورت میں یہ اشیاء بے کار پڑی رہیں اور کسی کے کام نہ آئیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ کسی غریب اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کردی جائے اور وہ دعا دے۔

لہٰذا یہ بھی بیوہ کے فرائض میں شامل ہے کہ ایسی تمام ذاتی استعمال کی اشیاء کو ایک جگہ اکٹھا کرے اور وارثوں کی اجازت کے بعد، پہلے غیر وارث قرابت داروں کو موقع دے کہ وہ ان میں سے مرحوم کی نشانی (محبت کی علامت) کے طور پر کچھ بھی لینا چاہیں تو لے لیں، اس کے بعد کچھ باقی رہے تو فقراء اور حاجت مندوں کو پہنچا دے، جو میّت کی طرف سے صدقہ میں شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (النساء: 8)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

''اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔''

اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے بھی یوں واضح فرمایا:

'' مقررہ حصص ان کے وارثوں کو دے دو اور جو بچ جائے وہ (بلحاظ رشتہ) میت کے قریب تر شخص کا حصہ ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الفرائض)

'قریبی شخص' (اولی رجل) سے مراد ہے؛ دادا، بیٹے کی اولاد، چچا اور اس کے بیٹے اور بھتیجے۔

فوری تقسیمِ وراثت کے کچھ اور پہلو

- بالفرض کوئی بیوہ بیمار ہے اور اسے اپنے علاج معالجے کے لیے بھی رقم درکار ہے،... یا عمر رسیدہ ہے اور خود مختار بچے اسے سنبھال لیتے ہیں تب بھی بڑھاپے میں سو طرح کی تکالیف پھر صدقات، خیرات دینا، نیز بحیثیت بزرگ، خاندان میں موقع بموقع لین دین اور دیگر گزر اوقات کے لیے کچھ نہ کچھ رقم کی ضرورت رہتی ہے، اس کے لیے اسے اولاد سے سوال کرنا بھی اچھا نہیں لگتا '... یا بہت غریب ہے اور اتنی پڑھی لکھی بھی نہیں کہ کوئی روزگار کما سکے، پھر اس کا اپنا گھر بھی نہیں (شوہر کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتی تھی) اسے عدت یہیں گزارنے کے لیے کرایہ بھی ادا کرنا ہے، اور جذباتی طور پر سنبھلنے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی حالت بھی مستحکم کرنی ہے لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر بہت کم گھرانوں میں وراثت کی فوری تقسیم والے حکم پر عمل کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو خاص ہدایت کی گئی ہے کہ بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کے لیے آگے بڑھو۔ نیز ان کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی پر بہترین اجر کی نوید سنائی گئی ہے۔
- اسی طرح خوشحال طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانوں میں اکثر روپیہ پیسہ بیک وقت جائیدادوں، کاروبار اور کئی کئی سکیموں میں انویسٹ (Invest) کیا گیا ہوتا ہے اور وفات کے فوراً بعد اس کی قیمت لگوانا (Value نکالنا) اور وراثت کی تقسیم کے لیے ان کا حساب کتاب لگانا

فوری طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ اس صورتحال میں بیوہ کے لیے اور بھی زیادہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جب گھریلو اخراجات کی ادائیگی اور آمدنی کا حساب کتاب صرف شوہر ہی کے ہاتھ میں تھا اور اسے ان کا قطعاً تجربہ نہ تھا۔

یہاں رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی اہمیت اور اس کا پُر حکمت پہلو اُجاگر ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی ازواجؓ کو ایک سال کا نفقہ پیشگی عطا کر دیا کرتے تھے۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس)

(زندگی میں دی ہوئی چیز (ہبہ کی طرح ہے) لوٹائی نہیں جاتی، کیونکہ نہ وہ قرض ہے نہ ادھار، نہ مالِ وراثت بلکہ یہ ضروریات کا خرچ ہے)۔

بالفرض بیوی کی وفات شوہر سے پہلے ہو جائے تو پھر اس پیشگی ادا کیے گئے نفقہ کی حیثیت وراثت کے مال کی سی ہوگی جو اس کے شوہر نے بخوشی اسے دیا تھا اور اب یہ اس خاتون کی ملکیت تھا۔ علاوہ ازیں بیوی اس کے تصرّف میں بااختیار تھی۔ یعنی خواہ مناسب تدبیر سے کسی جائز کاروبار، تجارت، صدقہ، خیرات، زکوٰۃ اور نیکی کے کاموں میں لگاتی جس سے اسے دنیا اور آخرت کی خیر و برکت حاصل ہوتی خواہ اپنی جہالت اور حماقت سے اسے اسراف اور بے جا خرچ میں ضائع کرتی جس سے نہ صرف خود دنیا و آخرت کی خیر سے محروم ہوتی بلکہ اپنے ارد گرد والوں کے لیے بھی بری مثال چھوڑتی۔

- رجعی طلاق والی بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے۔
- طلاق بائن کے دوران عورت بیوہ ہو جائے تو وہ مرحوم شوہر کی وارث نہیں ہوتی۔
- اولاد کی موجودگی میں بیوہ کا وراثت میں آٹھواں حصّہ ہے (اولاد خواہ اپنے بطن سے ہو یا مرحوم شوہر کی کسی اور بیوہ سے)، بالغ اور خود مختار ہو کر اولاد ماں کے بہت سے اخراجات اٹھا ہی لیتی ہے اسی لیے ''آٹھواں حصہ'' رکھا، واللہ اعلم۔
- اولاد نہ ہو تو ایک چوتھائی ورثے کی حصہ دار ہوگی۔ بے اولاد بیوہ کو اپنا سب خرچ خود ہی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اٹھانا پڑتا ہے اسی لیے یہاں اس کا حصہ زیادہ یعنی ''چوتھائی'' رکھا، واللہ اعلم۔ اِرشادِ الٰہی ہے:

.... وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ..... (النسآء: 12)

''اور تمہارے ترکہ میں بیویوں کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ تو اگر تمہاری اولاد بھی ہو تو جو کچھ تم نے چھوڑا اس میں تمہاری بیویوں کا آٹھواں حصہ ہے۔''

- صاحبِ اولاد مرحوم نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہوں تو وہ سب وراثت کے آٹھویں حصہ کو آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔
- بیوہ کو کسی وجہ سے شوہر اپنی زندگی میں مہر نہیں دے سکا تھا اور بیوہ نے اسے معاف بھی نہیں کیا تھا تو مالِ وراثت کی تقسیم سے قبل اسے دینا چاہیے۔ (بحوالہ سنن نسائی، کتاب النکاح: 3356)
- شوہر عقد کے بعد اور رخصتی وخلوت سے پہلے وفات پا جائے تو ایسی بیوہ کو مرحوم شوہر کی طرف سے وراثت کا پورا حصہ (1/4) اور مہر ملے گا (اصحاب سنن نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے صحیح کہا ہے) بشرطیکہ مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا۔ اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو وہ ''مہر مثل'' کی مستحق ہوگی (جو اس کے خاندان میں عام طور پر رائج ہے) اور عدت وفات بھی گزارے گی۔

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق)

راحت پانے والا یا راحت دینے والا

ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سے ایک جنازے کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''راحت پانے والا ہے یا راحت دینے والا ہے؟''

صحابہ کرامؓ نے پوچھا، 'راحت پانے والے اور راحت دینے والے سے کیا مراد ہے؟' یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''بندۂ مومن جب مرجاتا ہے تو دنیا کی تکلیفوں اور اذیتوں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں راحت پاتا ہے اور بندۂ فاسق جب مرجاتا ہے تو لوگوں کو، بستیوں کو، درختوں کو اور جانوروں کو اس سے راحت ہوتی ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت)

حاملہ کی عدت

... وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۗ... (الطلاق: 4)

''اور حمل والیوں کی عدت 'وضع حمل' ہے۔''

- ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ ''سورۃ الطلاق'' جس میں حاملہ عورتوں کی عدت، وضع حمل قرار دی گئی ہے، ''سورۃ البقرہ'' کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور حاملہ خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: 7/ 422)
- وفات کے وقت حمل کے ظاہری آثار نہ تھے مگر عدت میں حمل ثابت (ظاہر) ہو گیا تو عدت بھی بچے کی ولادت کے ساتھ ختم ہوگی۔ (غیر حاملہ بیوہ کی عدت سے زیادہ مدت) (بحوالہ ابن کثیر)
- ابنِ شہاب نے کہا کہ میں اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں سمجھتا کہ عورت وضع حمل کے فوراً بعد نکاح کرے اگرچہ ابھی خونِ نفاس میں ہو۔ مگر اتنی بات ضروری ہے کہ اس کا شوہر اس سے صحبت نہ کرے جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث: 3722)
- ابوداودؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سیّدنا عمرؓ نے یہ فرمایا کہ اگر عورت کا بچہ پیدا ہو جائے اور اس کے شوہر کا ابھی جنازہ ہی رکھا ہو تب بھی اس کی عدت پوری ہو گئی۔

سبیعہؓ اسلمیہ کے واقعہ سے بھی حاملہ بیوہ کی عدت کے حکم کی مزید تائید ہوتی ہے۔

ان کے خاوند سعدؓ بن خولہ تھے۔ یہ بدری صحابی تھے۔ حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے۔ اس وقت یہ حمل سے تھیں۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کا بچہ پیدا ہو گیا (جو تھوڑے دنوں بعد وفات بھی پا گیا)، یہ جب نفاس سے پاک ہوئیں تو پیغام دینے والوں کے لیے (اچھے کپڑے پہن کر زینت کرکے) بیٹھ رہیں۔ اتنے میں ابو السنابلؓ بن بعلک کا ادھر آنا ہوا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے، ''تم جو اس طرح سنگار کیے بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو؟ وَاللہ، تم ابھی نکاح نہیں کر

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن پورے نہ گزر جائیں۔''

سبیعہؓ کہتی ہیں کہ میں نے یہ سن کر چادر اوڑھی اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنے کو حاضر ہوئی۔ آپؐ نے مجھے فتویٰ دیا کہ میں اسی وقت اپنی عدت پوری کر چکی تھی جب میرا وضع حمل ہوا۔ اور مجھ کو حکم دیا کہ میں جب چاہوں نکاح کرلوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث: 3722)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: سبیعہؓ اسلمیہ اپنے شوہر کی موت کے چالیس دن بعد بچہ جنی تو لوگوں نے انہیں پیغام بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

حاملہ بیوہ کے بارے میں مندرجہ بالا حکم بظاہر وفات والی عدت سے بالکل مختلف نظر آتا ہے، جس میں سوگ کی مخصوص مدت، زینت سے پرہیز اور دوسری پابندیاں شامل تھیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حاملہ کے لیے ان تمام پابندیوں سے برطرف وضع حمل سے نکلتے ہی دوسرے نکاح کے لیے (اگر کرنا چاہے تو) حلال ہو جانا کیوں جائز رکھا گیا ہے۔ دراصل حاملہ بیوہ، شوہر کی وفات کے غم اور (اگر بیماری سے وفات ہوئی تو اس کی تیمارداری کی مشقت) پھر زمانہ حمل اور بچہ پیدا ہونے کی تمام تر جملہ تکالیف اور حالتِ نفاس کی کمزوریوں پھر بچے کو دودھ پلانے سے جو نقاہت اور ضعف ہوتا ہے ان تمام کی موجودگی میں جن ذہنی، جسمانی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کا شکار ہوتی ہے اس میں اگر اسے نئے شوہر کی صورت میں فوری سہارا مل جاتا ہے تو یہاں چار ماہ دس دن کے سوگ کی ضرورت کو اس کی غمخواری اور مالی اعانت کے پیش نظر نکاحِ ثانی پر غیر مقدم سمجھا گیا ہے نیز استبرا کی بھی وضع حمل کی وجہ سے ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم

نوٹ: خواہ پورے وقت کا بچہ زندہ یا مردہ پیدا ہو یا اسقاط حمل کی کوئی صورت ہو، بیوہ کے لیے عدتِ وفات ختم ہو جائے گی۔ اسقاط حمل کا یقین ڈاکٹر کی میڈیکل رپورٹ پر منحصر ہوگا۔ بالفرض بیوہ کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں یہ طبی سہولت میسّر نہ ہو تو پھر دیکھا یہ جائے گا کہ اسقاط واقعی انسانی بناوٹ پر ہے یا محض کسی اندرونی بیماری کا اخراج ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیوہ حاملہ کا نفقہ

(1) سیدنا علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس بیوہ کا نفقہ واجب ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ، قاضی شُریحؒ، ابوالعالیہؒ، شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے، اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ (آلوسی۔ جصّاص)

(2) ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو تو حاملہ بیوہ پر اس کے پیٹ کے بچے کے حصے میں سے (جو اسکی پیدائش کے بعد اس کے لئے مخصوص کیا جانا تھا) خرچ کیا جائے اور اگر میت نے کوئی میراث نہ چھوڑی ہو تو میّت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ. (البقرۃ: 233)

''اور وارث پر بھی (اس بچے کے اخراجات کی ذمہ داری) اسی طرح ہے۔''

(3) جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حسن بصریؒ، سعید بن مُسَیَّبؒ اور عطا بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایک تیسرا قول یہی منقول ہوا ہے۔ (جصّاص)

اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے بیوہ کو جو میراث کا حصہ ملا ہو، اس سے وہ اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکے پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا کہ جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

(4) ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا قرض واجب ہوتا ہے۔ (جصّاص)

یعنی مجموعی ترکہ میں سے قرضہ اتارنے کی مانند بیوہ کا نفقہ بھی ادا کیا جائے گا۔

(5) امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زُفرؒ کہتے ہیں کہ میّت کے مال میں اس کیلئے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا، کیونکہ موت کے بعد اس کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کیسے واجب ہوسکتا ہے۔ (ہدایہ جصّاص)

یہی مسلک امام احمدؒ بن حنبل کا ہے۔ (الانصاف)

(6) امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے۔

(مغنی المحتاج، کتاب التفلیس)

ان کا استدلال ابو سعید خدریؓ کی بہن فُریعہؓ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کر دیے گئے تو رسول ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ:

''شوہر کے گھر ہی میں عدت گذاریں۔'' (جامع ترمذی، کتاب الطلاق واللعان، حدیث : 1204)

یہی مسلک امام حاکمؒ کا بھی ہے۔ (حاشیۃ الدُسُوقی)

(تحقیق تفہیم القرآن، جلد 5 تفسیر سورۃ الطلاق : 6)

زچہ بچہ کے اخراجات

عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہو جائے تو زچگی کے اخراجات کا کیا کرے؟

مذکورہ بالا اقوال کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی تین ہی صورتیں نظر آتی ہیں۔

1- پیٹ کے بچے کے حصہ (وراثت) میں سے خرچ کیا جائے۔

اس کی بھی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں۔

- زچگی کے اخراجات بیوہ اپنے مالِ وراثت سے ادا کرے۔
- بچے کی پیدائش کے بعد اس کے اخراجات اس کے حصہَ وراثت میں سے ادا کیے جائیں یعنی یہ نومولود اپنی وراثت ہی پر تمام دوسرے اخراجات سمیت پالا جائے۔

(جب تک بچہ پیدا ہو کر سانس نہ لینے شروع کرے وہ وراثت کا حقدار نہیں ہوتا)

2- بچے کے باپ نے کوئی میراث نہ چھوڑی ہو تو دوسرے وارث اس کا خرچ اٹھائیں، مثلاً دوسری اولاد اگر بڑی ہے اور کماتی ہے تو جیسے باپ نے انہیں پالا پوسا اور ان پر خرچ کیا تھا، اب یہ مل کر اس نئے بھائی یا بہن کے اخراجات اٹھائیں۔

3- حاملہ بیوہ کو میراث کا جو 1/8 ملا ہے اس میں سے یہ زچگی اور بچے کے اخراجات پورے کرے۔ ذرا جائزہ لیتے ہیں یہ اخراجات کیا ہیں:۔

* ڈاکٹری معائنوں (Medical Check ups) کی فیس، دوائیاں، ڈیلیوری چارجز،
* زچگی میں خصوصی خوراک،
* عقیقہ کے لیے جانور (لڑکا ہو تو دو، اور لڑکی ہو تو ایک)،
* بچے کے سر کے بالوں کے ہم وزن چاندی برائے صدقہ،
* بچے کے ختنہ کے لیے معالج کی فیس،
* بالفرض نومولود کو کسی اور سے دودھ پلوائے تو اس کی اجرت (اگرچہ ہمارے ہاں یہ معروف نہیں ہے)، ڈبے کا دودھ پلائے گی تو اس کا خرچ (زچہ بیوہ، شوہر کی وفات کی وجہ سے رنج و الم کا شکار ہوتی ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ اس کا اپنا دودھ نہ اترے یا ناکافی ہو) وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

''... وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ ...'' (البقرۃ : 233)

''... اور (دودھ پلانے والی کا) یہ حق جیسا بچے کے باپ پر ہے
ویسا ہی (باپ کی وفات کے بعد) اس کے وارث پر بھی ہے...''

اس آیت میں یہ حکم (مطلقہ خواتین کے باب میں) اس صورت میں ہے جبکہ زوجین ایک دوسرے سے علیحدہ ہو چکے ہوں، خواہ طلاق کے ذریعے سے یا خُلع یا فسخ اور تفریق کے ذریعے سے، اور ان میں سے کسی بھی قسم کی جدائی کے بعد وہ شوہر چل بسے اور عورت کی گود میں دودھ پیتا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بچہ ہو،اس صورت میں وارث پر ذمہ داری آتی ہے۔

بہر حال دونوں صورتوں میں جبکہ ایسی عورت کا نہ وارث ہو نہ ولی کہ اس کا خرچہ اٹھائے تو کوئی ایک قرابت دار یا کچھ قرابت دار مل کر اجر و ثواب کی امید پر اس کی مدد کر سکتے ہیں۔

اسلامی معاشرے میں ہونا تو یہ چاہیے کہ حکومت کی طرف سے زچہ و بچہ کیلئے وظائف مقرر ہوں جیسا کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں رائج تھا، اس کی دلیل اس روایت سے ملتی ہے؛

''ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک تجارتی قافلہ مدینہ منورہ آیا۔ انہوں نے عیدگاہ میں قیام کیا۔ سیدنا عمرؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا،''کیا تم اس بات کے لیے تیار ہو کہ ہم دونوں اس قافلے کا چوروں سے بچاؤ کے لیے پہرہ دیں؟'' (انہوں نے کہا ٹھیک ہے) چنانچہ یہ دونوں رات بھر قافلہ کا پہرہ بھی دیتے رہے اور باری باری نماز بھی پڑھتے رہے۔

سیّدنا عمرؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو انہوں نے جا کر اس کی ماں سے کہا:

''اللہ سے ڈرو اور اپنے بچے کا خیال کر'' اور پھر عمرؓ اپنی جگہ واپس آ گئے۔

پھر بچے کے رونے کی آواز سنی تو عمرؓ نے جا کر دوبارہ اس کی ماں کو وہی بات کہی اور اپنی جگہ واپس آ گئے۔ رات کا آخری پہر ہوا تو پھر انہوں نے اس بچے کے رونے کی آواز سنی اور جا کر اس کی ماں سے کہا:

'' تیرا بھلا ہو! میرا خیال ہے کہ تو بچے کے حق میں بُری ماں ہے۔ کیا بات ہے کہ تیرا بچہ آج ساری رات آرام نہ کر سکا؟''

اس عورت نے کہا،'اے اللہ کے بندے! آج رات تو (بار بار آ کر) تم نے مجھے تنگ ہی کر دیا۔ میں بہلا پھسلا کر اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں لیکن یہ مانتا نہیں۔'

عمرؓ نے پوچھا،''تم اس کا دودھ کیوں چھڑانا چاہتی ہو؟''

اس عورت نے کہا،' کیونکہ عمرؓ صرف اس بچے کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں جو دودھ چھوڑ چکا ہو۔'

(وہ عورت عمرؓ کو پہچانتی نہ تھی)

عمرؓ نے پوچھا،''اس بچے کی عمر کیا ہے؟''

اس عورت نے کہا،' کچھ مہینے کا ہے۔'

عمرؓ نے کہا،''تیرا بھلا ہو اس کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر۔''

پھر آپؓ نے (وہاں سے واپس آ کر) فجر کی نماز پڑھائی اور نماز میں بہت روئے۔ زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی قرآت لوگوں کو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؓ نے لوگوں سے کہا:

'' عمرؓ کے لیے ہلاکت ہو! اس نے مسلمانوں کے کتنے ہی بچے مار ڈالے۔ عمرؓ نے اصول یہ بنایا تھا کہ بچے کا دودھ چھڑانے کے بعد ہی اس کو وظیفہ ملے گا۔ اس وجہ سے نہ معلوم کتنے بچوں کا دودھ قبل از وقت چھڑایا گیا ہوگا اور کتنے بچوں کو تکلیف ہوئی ہوگی۔''

پھر اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں میں یہ اعلان کرے کہ خبردار! تم اپنے بچوں کا جلدی دودھ نہ چھڑاؤ کیونکہ ہم دودھ پیتے مسلمان بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کریں گے اور تمام علاقوں میں بھی (اپنے گورنروں کو) یہ لکھوا بھیجا کہ ہم دودھ پیتے مسلمان بچے کا بھی وظیفہ مقرر کریں گے۔'' (اخرجہ ابن سعد، ص: 2173۔ ابوعبید و ابن عساکر کذا فی الکنز، ج: 2، ص: 317)

اسلام کے ایسے بہت سے سنہری اصولوں اور حکمتوں کی طرح اس حکمت کو بھی آج غیروں نے اپنا کر اپنے معاشرے کو دنیا میں قابلِ رشک بنا لیا اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ ہماری ہی گم گشتہ میراث ہے۔ ابھی بھی ہم کسی اہلِ علم کے اس حکیمانہ قول پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں:

''حکمت و دانائی مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ پس جہاں اسے ملے، اسے لے لینی چاہیے۔''

عربی مقولہ [رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ] حکمت کی سربلندی خوفِ خدا سے ہے

گمشدہ شخص کی بیوی کی عدت

گمشدگی کئی طرح کی ہوسکتی ہے۔

- کوئی شخص بحری، فضائی یا زمینی جنگ، یا جنگی مشقوں کے دوران، یا کسی مہم پر دور دراز پہاڑی علاقوں یا جنگلوں یا جزیروں میں گیا، راستہ بھول گیا یا کسی دشمن کے ہتھے چڑھ گیا، پھر وہاں کسی بیماری یا کسبِ معاش کی مشکل میں پھنس گیا اور جلد واپس آنے کا انتظام نہ کرسکا،
- کسی ہنگامی علاقے میں فسادات، برفانی طوفان، بم دھماکوں، آگ، سیلاب، طوفان، زلزلے سے عمارتوں کے نیچے دبنے یا اسی قسم کی اور کسی آفت میں گھر گیا۔ اب کوئی اطلاع نہیں مل رہی کہ زندہ ہے یا کہیں زخمی و محتاج پڑا ہے،
- کسی ایسی جگہ گیا تھا، جہاں وبائی مرض پھوٹ پڑا ہے اور وہاں سے نکلنا یا اس علاقے میں جانا منع ہے اور اس کے بچنے کی خبر معلوم نہیں ہو رہی، وغیرہ۔

اب ایسے شخص کی نہ اطلاع آتی ہے نہ ہی یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ تو ایسی صورت میں اس کی منکوحہ کو کتنی مدت انتظار کرنا ہوگا کہ وہ خواہشمند ہو تو نکاحِ ثانی کرلے۔

کتب احادیث سے ہمیں اس بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان میں بیوی کے لیے مفقود (گمشدہ) شوہر کی واپسی یا اطلاع نہ ہونے کی انتظار کی مدت ایک سے چار سال تک ہے۔ جس کے بعد وہ مزید عدت چار ماہ دس دن پورے کرکے نکاحِ ثانی کرسکتی ہے۔

چار برس انتظار سعید بن مسیّبؒ سے روایت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مفقود الخبر شوہر والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ چار برس انتظار کرے۔ اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزار کر (چاہے تو) نکاح کرلے۔ (مؤطا امام مالکؒ، کتاب الطلاق)

یہی عثمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باسانید صحیح

مروی ہے۔ ان کو سعید بن منصورؒ اور عبدالرزاقؒ نے نکالا کہ مفقود کی عورت چار برس تک انتظار کرے۔ اس عرصہ تک اس کی خبر معلوم نہ ہو تو وہ عورت اب دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور ایک جماعتِ تابعین جیسے ابراہیم نخعیؒ اور عطاءؒ اور زہریؒ و مکحولؒ اور شعبیؒ اسی کے قائل ہوئے ہیں۔

ایک برس انتظار سعید بن مسیّبؒ نے کہا: ''اگر دورانِ جنگ فوجی دستہ میں سے کوئی شخص گم ہوجائے (نہ ہی اس کا جسم ملے، نہ جنگی قیدی بنالیے جانے کی خبر ملے) تو اس کی عورت ایک سال تک ٹھہری رہے۔''

(عبدالرزاق نے اسے متصل روایت کیا ہے۔ امام مالک کا یہی قول ہے)

سفیان بن عینیہ نے جامع میں اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں وصل کیا:

عبداللہؓ بن مسعودؓ نے ایک لونڈی خریدی پھر اس کے مالک کو قیمت دینے کے لیے گئے تو وہ نہ ملا (غائب ہوگیا تھا) ایک سال تک وہ نہ ملا تو اس کی قیمت ایک ایک، دو دو روپیہ کرکے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کی اور کہتے جاتے:

''یا اللہ! یہ خیرات فلاں (لونڈی کے مالک) کی طرف سے قبول کیجیے اور اگر وہ آجائے تو خیرات کا ثواب میرا ہے اور میں اس لونڈی کی قیمت بھی بھر دوں گا''۔ پھر کہنے لگے:

''پڑی ہوئی چیز پاؤ تو اس میں بھی ایسا ہی کرو۔'' اور ابن عباسؓ نے بھی ایسا ہی کہا۔

ان صحابہ کرامؓ نے یہ قیاس نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے نکالا:

نبی اللہ ﷺ سے پڑی ہوئی چیز کا حکم پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کا سر بندھن اور تھیلا (اس چیز کی پیکنگ یا کوئی اور خاص نشانی) پہچان رکھو اور ایک برس تک لوگوں (کو اس سے آگاہ رکھو اور ان) سے پوچھتے رہو۔ اگر کوئی پہچاننے والا آجائے تو ٹھیک، ورنہ اپنے مال میں شامل کرڈالو۔'' (صحیح بخاری، کتاب اللقطۃ)

(گم شدہ کی بازیابی کے لیے مسنون دعائیں صفحہ 203 پر ملاحظہ فرمائیں)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

لاپتہ یا گمشدہ کی اطلاع ملنے پر

کسی بھی گمشدہ کی زندگی کی اطلاع مل جانے کے بعد وہ چونکہ اب مفقود نہیں رہا، لہٰذا خواہ ایک سال کو آسکے یا چار سال کو یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد بہرحال بیوی کو انتظار کرنا ہوگا خصوصاً جبکہ وہ نفقہ بھی بھیجنا شروع کردے (علاوہ عذرِ حقیقی کے مثلاً معلوم ہوا کہ دشمن کی قید میں ہے اور ظاہر ہے وہاں سے خرچہ نہیں بھیج سکتا، مجبور ہے، لہٰذا بیوی کو ہر صورت انتظار کرنا ہوگا)۔

ابن شہاب نے کہا...... اگر کوئی شخص، اسیر (جنگی قیدی) بنالیا جائے اور اس کا ٹھکانہ بھی پتہ ہو (کہ وہ فلاں دشمنوں کے پاس ہے) تو اس کی عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، نہ اس کا مال وارثوں میں تقسیم ہوسکتا ہے۔ البتہ اس کی خبر ہی منقطع ہوجائے (دشمنوں نے مارڈالا یا بیمار ہوکر مر گیا۔ یہ شک ہے، یقین نہیں) تو اس کا حکم مفقود کی طرح ہوگا یعنی چار برس اس کی عورت ٹھہری رہے، اس کے بعد وفات کی عدت پوری کرکے دوسرا نکاح کرے۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الطلاق)

(اس کے لیے عدالت سے رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ وہ نکاح فسخ کرنے کا فیصلہ کرادے)

ذرائع رابطہ

رسدورسائل کے ذرائع کی ترقی کے اس دور میں خبر یا اطلاع ہوجانا کوئی ناممکن بات نہیں رہی مثلاً: کوئی شخص کسی آفت میں گھر گیا ہے یا دور دراز کے علاقوں میں نکل کر راہ گم کر بیٹھا ہے اور بالفرض زخمی بھی ہے، تو زیادہ سے زیادہ وہ اپنے صحت یاب ہونے کا انتظار کرے گا۔ اگرچہ اس حالت میں بھی وہ فون، ٹیلیگرام، ٹیلیکس، انٹرنیٹ، ڈاک یا دوسرے کسی بھی ذرائع سے گھر والوں سے رابطہ کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا ہے تو اس دور میں اس کے اردگرد والوں کے لیے شناختی کارڈ، بول چال، لباس اور دیگر حال احوال سے یہ معلوم کرنا اتنا مشکل کام نہیں رہا کہ وہ کس علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بالفرض وہ مالی استطاعت سے محروم ہوچکا ہے اور وطن سے دوری کی بنا پر گھر واپسی کے لیے ٹرانسپورٹ وغیرہ کے اخراجات کی بھی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ضرورت ہے، تو ظاہر ہے کہ کچھ مہینے کوئی کسب کرے گا تاکہ اس کا کچھ بندوبست ہوجائے۔ اس میں کم ازکم ایک سال اور زیادہ سے زیادہ چار سال تک کی گنجائش بہت کافی معلوم ہوتی ہے۔

بعض خصوصی حالات میں زندہ لاپتہ (روپوش) شوہر سے فسخِ نکاح

بسا اوقات کچھ ایسے حالات ومسائل پیدا ہوجاتے ہیں مثلاً کسی خاتون کا شوہر روزگار کمانے یا کسی اور سلسلے میں دور دراز گیا ہے اور اس کی موجودگی اور زندگی کی شہادت تو ملتی ہے مگر وہ خود سے نہ رابطہ کرتا ہے نہ ہی نفقہ بھیجتا ہے اور محض اسے لٹکا رکھا ہے نیز وہ خاتون نوعمر بھی ہے۔

اس صورت میں وہ عدالت سے رجوع کرسکتی ہے اور چاہے تو نکاح بھی فسخ کراسکتی ہے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ عدتِ طلاق، عدتِ وفات، ایلاء اور سیدنا عمرؓ کا مجاہدین کو چار ماہ بعد چھٹی پر گھر بھیجنا، نیز نکاح کرکے جماع پر قدرت نہ رکھنے والے کو (علاج کے لیے سال بھر کی) مہلت دینا، ان میں کوئی بھی مدت ایک سال سے تجاوز نہیں کرتی لہٰذا اس خاتون کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک سال ٹھہرنا اور چار ماہ دس دن کی عدت پوری کرکے نکاح فسخ کرانے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا، تاکہ نکاحِ ثانی کراسکے، مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (اغلب امکان ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کے عدت کاٹنے کی خبر مل جائے اور چونکہ عدت ختم ہونے کے بعد ملاپ کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی لہٰذا وہ اس دوران ہی اپنے روّیے پر نظرثانی کرلے اور واپس لوٹ آئے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

...وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ (البقرۃ :231)

...''اور مت روکے رکھو انہیں نقصان پہنچانے کے لیے کہ تم زیادتی کرنے لگو اور ایسا کرنے والا خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔''

> سعیدؒ بن مسیّب فرماتے تھے کہ جب شوہر کے پاس بیوی کو دینے کے لیے نان ونفقہ نہ ہو تو ان دونوں کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی۔ (مؤطا امام مالک، حدیث: 292882)

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا 'بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے؟' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تو خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر نہ مارے، گالی نہ دے، (الگ کرنے کی ضرورت ہو تو) اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ الگ نہ کرے۔''
(سنن ابنِ ماجہ، کتاب النکاح)

فرمایا، ''ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں دیا، ایک غلام آزاد کروانے کے لیے (حالانکہ اس کی بے حد فضیلت بیان کی گئی ہے)، ایک دینار مسکین کو، اور ایک اپنے گھر والوں پر خرچ کیا، ان سب میں اجر کے اعتبار سے گھر والوں پر خرچ کیا گیا دینار سب سے افضل ہے۔''
(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

فرمایا، ''افضل صدقہ وہ ہے جسے دے کر دینے والا غنی رہے۔ اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور دینے کی ابتدا اُن سے کرو جن کے تم نگہبان ہو۔''
(صحیح بخاری، کتاب النفقات)

''اللہ تعالیٰ کسی کو مسلمانوں کے معاملات کا کفیل (ذمہ دار) بنائیں اور وہ ان کی ضروریات، امنگیں اور حاجات پوری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات، امنگوں اور حاجات سے دوری فرماتے ہیں۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارہ، حدیث : 2942)

سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
''خرچ کرتا رہ، اے ابنِ آدم! میں تجھ کو دیے جاؤں گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النفقا قات)

گمشدہ، لاپتہ یا مفقود پر مردہ کا قیاس کرنے کی گواہی

احتیاط کے تقاضے کے طور پر اور نزاعات کا سدِ باب کرنے کے لیے بہتر ہے کہ عورت کی طرف سے شوہر کے لیے انتظار کرنے کی مدت اور عدت گزارنے کی اطلاع عدالت یا متعلقہ محکمے کو ضرور کر دی جائے تا کہ عادل گواہ اور عادل قاضی کی گواہی سے مستقبل میں درپیش کسی بھی قسم کے ممکنہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے اور کوئی بھی قانونی نقطے کسی وقت سر نہ اٹھا سکیں۔ نیز عرصۂ دراز سے لاپتہ شوہر کو مُردہ قیاس کرنے کے بعد وراثت اور دیگر معاملات میں پیچیدگی کا اندیشہ بھی نہ رہے۔

شوہر کی غیر موجودگی اور خواتین

اِرشادِ ربِّ کریم

.....حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ .....(النساء :34)

...''عورتیں اس سبب سے کہ اللہ نے ان کے حقوق محفوظ کیے ہیں، غیب میں (شوہر کی غیر حاضری میں اس کی عزت و ناموس کی) حفاظت کرنے والیاں ہیں''...

احادیثِ نبویّہ ﷺ

''غازیوں کی بیبیوں کی حرمت خانہ نشین لوگوں پر ایسی ہے جیسے کہ ان کی ماؤں کی حرمت، اور جو خانہ نشین مرد، مجاہد مردوں کے گھر بار کی خدمت میں لگا رہے اور پھر ان کے اہل میں خیانت کرے، (ان پر بدنظر رکھے یا بہکائے) تو روزِ قیامت وہ شخص کھڑا کیا جائے گا اور اس مجاہد شخص سے کہا جائے گا کہ ''اس شخص نے تمہاری عورت کے معاملے میں (تمہاری غیر موجودگی میں) تمہاری خیانت کی، اب تم جتنی چاہو اس کی نیکیاں لے لو۔'' پھر نبی کریم ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:
''تم کیا سمجھتے ہو، کیا وہ اس کی کوئی نیکی باقی چھوڑے گا؟'' (سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد)

''تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی رعیت سے متعلق سوال کیا جائے گا، اور ہر آدمی اپنے اہل وعیال کا حاکم ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں دریافت کیا جائے گا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی حاکم و منتظم ہے، اس سے اس کی رعیت سے متعلق پوچھا جائے گا، اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔''
(متفق علیہ)

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ صاحبِ رعیت بنائیں اور ایسے شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وفات کے دن تک وہ رعایا کے حقوق میں خیانت کرتا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر جنت حرام کر دیں گے۔''
(متفق علیہ)

''اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں نیک بخت قریش کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے چھوٹے یتیم بچوں پر بہت مہربان اور اپنے خاوند (کی غیر موجودگی میں اس) کے مال کی نگہبان ہیں۔''
(صحیح مسلم، کتاب الفضائل الصحابہ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

شوہر کی جدائی اور یتیم اولاد

شوہر کی وفات کے بعد بچوں والی بیوہ کے لیے اب ایک اور بڑا امتحان ان یتیموں کی طرف توجہ کرنا اور انہیں اس حادثہ اور اس کے نقصانات پر صبر و برداشت کے لیے تیار کرنا ہے۔

یاد رہے، ان کے ننھے سے دل و دماغ کے لیے اپنے والد کی جدائی کا غم برداشت کرنا باقی سب کی نسبت کہیں زیادہ دشوار ہے۔ بچے چھوٹے ہیں یا بڑے، انہیں دل جوئی اور حوصلہ دینے کے علاوہ ان کے باپ کی اچھی نصیحتیں، ان کے کردار کی خوبیاں، ان کی زندگی کے قابلِ ذکر پہلو اور پسندیدہ معمولات بھی وقتاً فوقتاً بتاتے رہنا ہے۔ اور انہیں اس بات کا عادی بنانا ہے کہ جس موقع پر بھی والد کی کمی محسوس ہو یا جب بھی شدت سے ان کی یاد آئے تو فوراً ان کے لیے مغفرت اور درجات میں بلندی کی دعا کرلیا کریں۔

کبھی کبھار ان کے والد کی قبر پر انہیں لے جانا فائدہ مند ہوسکتا ہے (لیکن بہت چھوٹے بچوں کو نہیں)۔ بیوہ والدہ برسرِ روزگار اولاد کو اس بات کی بھی ترغیب دیا کرے کہ وہ اپنے والد کی طرف سے صدقہ، خیرات، قربانی وغیرہ حسبِ توفیق دیا کریں اور اپنے نیک اعمال سے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنیں۔ اسی طرح ان کے والد کی طرف سے زندگی میں مانی ہوئی کوئی منت یا کوئی وعدے وغیرہ پورے کرنے کی بھی انہیں ہدایت و تلقین کرے۔

بیوہ کو چاہیے کہ ان بچوں کو اپنے والد کے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں سے حسنِ سلوک اور روابط رکھنے کی ترغیب دیتی رہا کریں۔ ایک حدیثِ رسول ﷺ ہے:

''والد کے چل بسنے کے بعد بہترین فرمانبرداری یہ ہے کہ اس کا بیٹا اس کے دوستوں کے ساتھ تعلقات (جوڑ کر) رکھے۔'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: 6514)

عربی مقولہ [صَدِیْقُ الْوَالِدِ عَمُّ الْوَلَدِ] باپ کا دوست بیٹے کا چچا ہوتا ہے۔

اچھی تربیت کا بدل اچھا صدقہ جاریہ

اولاد کی طرف سے یہ تمام وفاداری اور سعادت مندی کسی بھی خوش نصیب باپ کو وفات کے بعد بھی صدقہ جاریہ کی صورت میں اسی بنا پر حاصل ہوسکتی ہے جب کہ اس نے اپنی زندگی میں ان کو تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ ان کی اسلامی خطوط پر اچھی طرح تربیت بھی کی ہو۔

دراصل والد کا رتبہ نصیب ہوتے ہی اولاد کی ضروریاتِ زندگی کی فکر لگ جانا قدرتی امر ہے۔ مسلمان والد کے فرائض میں سے ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے، ساتویں دن عقیقہ کرے، (لڑکا ہے تو ختنہ کرائے) ان کی جائز حاجات پر خرچ کرے، اچھی تعلیم و تربیت کے ساتھ اسلامی احکامات کی پاسداری، حقوق و فرائض کی ادائیگی اور حرام و حلال میں تمیز سکھائے۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے:

''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو، جب وہ سات برس کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی سرزنش کرو، جب وہ دس برس کے ہوجائیں تو ان کے بستر الگ الگ کردو۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ)

بچے کے لیے اچھی تعلیم و تربیت کا بہترین وقت اس کے گہوارے سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اسی لیے دانشمند کہتے ہیں کہ بچپن میں کچھ سیکھنا ایسا ہے جیسا کہ پتھر پر نقش کرنا۔ لہٰذا بچپن ہی سے بچوں کو اچھے آداب اور نیک عادات سکھانے پر بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ نیز اس مقصد کے لیے حسبِ حیثیت مال بھی خرچ کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم فرمائیں جو نیکی میں (اپنی اولاد کا) معاون بنے۔'' (صحیح ابن حبان)

اولاد کو بہترین خصلتوں کا عادی بنانے کے علاوہ اپنے خالق و مالک کی محبت، نبی اللہ ﷺ کی محبت، ان کے اہلِ بیت کی محبت اور قرآن و حدیث سے تعلق جوڑنے کے لیے بھی والدین کو محنت کرنا ضروری ہے۔ صرف اعلیٰ دنیاوی تعلیم کی فکر اور اسی کے لیے ساری بھاگ دوڑ کرنا نادانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث: 1359)

پھر جب وہ جوان ہو جائیں تو ان کا نکاح کرے۔لڑکی ہے تو اس کے شوہر کے گھر رخصت کردے،لڑکا ہے تو اختیار دے خواہ والد کے ساتھ رہے یا اپنا الگ گھر بسائے۔

ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر ہی والدین اپنی اولاد کو معاشرے کا بہترین رکن اور اسلام کا بہترین علمبردار بنانے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔جس کے نتیجے میں انہیں عزت و اکرام والی زندگی نصیب ہوتی ہے اور والدین کو بھی خوشی اور سکون ملتا ہے۔اور یوں نیک اولاد دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے علاوہ آخرت کے لیے بھی بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوتی ہے۔

والد جنت کا بہترین دروازہ

اسی طرح وہ اولاد خوش نصیب ہے جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شعور و ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی خدمت کا حق ادا کرلیں۔قرآن کریم میں والدین سے حسنِ سلوک کی خاص تاکید کی گئی ہے :

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ ... (الاحقاف : 15)

''اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا،''اس شخص کی ناک گرد آلود ہو (تین مرتبہ یہ فرمایا)،جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔(ان کی خدمت نہ کی)۔'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، حدیث :6510)

آپ ﷺ نے فرمایا،''کوئی اولاد اپنے والد کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی، مگر یہ کہ وہ اسے غلام پائے تو خرید کر آزاد کرا دے۔'' (جامع ترمذی، ابواب البر والصلہ، حدیث :1981)

ایک اور موقع پر فرمایا،''والد جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔تو جو چاہے اسے ضائع کردے، یا اس کی حفاظت کرے۔'' (سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق)

''رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کا غصہ والد کے غصہ میں ہے۔''(جامع ترمذی : 1899)

تربیتِ اولاد اور سنتِ نبویّہ ﷺ

رحمت للعالمین محمد ﷺ کا بچوں سے شفقت برتنے کا انداز ہم سب کے لیے مثال ہے۔

آپؐ بچوں کو بوسہ دیتے، گلے لگاتے، گود اٹھاتے، یا سواری پر ساتھ بٹھا لیتے۔ بسا اوقات دورانِ نماز بھی کوئی بچہ قریب آجاتا تو آپؐ اسے کندھے پر بٹھا لیتے یا گود میں اٹھا لیتے اور یونہی نماز جاری رکھتے۔آپؐ کے ننھے نواسے دورانِ خطبہ آتے دکھائی دیتے تو منبر سے اتر کر انہیں لینے کو بڑھتے۔آپؐ بچوں سے ہمیشہ نرمی اور خوش کلامی سے پیش آتے۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ کے ساتھ کوئی بچے ہوتے اور انہوں نے نئے اور اچھے کپڑے پہنے ہوتے تو خوش کرنے کے لیے ان کی تعریف کرتے اور دعا بھی دیتے۔ اگر وہ بچے آپؐ کی مہرِ نبوت دیکھ پاتے اور اس سے کھیلنا چاہتے تو انہیں منع نہ فرماتے۔

بچوں کو سلام کرنے میں پہل کرتے اور کسی بچے نے پرندہ وغیرہ پالا ہوتا تو اس کا حال پوچھتے۔

آپؐ بیمار بچوں کی عیادت کو جاتے اور کوئی بیمار بچہ دعا کے لیے یا کوئی نومولود دعا اور تحنیک کے لیے لایا جاتا تو اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر صحت اور برکت کی دعا فرماتے۔

آپؐ بچوں کو نماز اور صف کے آداب سے روشناس کرانے پر بھی توجہ فرماتے اور جس نماز میں عورتوں کے ساتھ آئے چھوٹے بچے زیادہ روتے اس نماز میں تلاوت اور خطبہ کو مختصر فرما دیتے۔

کھانے پر کوئی بچہ ساتھ ہوتا تو اسے کھانے پینے کے آداب سے روشناس کراتے۔نیا پھل آتا تو پہلے قریب موجود بچے کو کھانے کے لیے دیتے۔آپؐ لوگوں کو اپنی اولاد کے درمیان انصاف برتنے کی تاکید فرماتے، تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور آپس میں کدورتیں پیدا نہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے یتیم بچوں کے حقوق کا تحفظ اور ان سے حسنِ سلوک سے پیش آتے رہنے کی خاص تلقین فرمائی۔نیز بیٹیوں کے زندہ گاڑنے کو حرام قرار دیا اور بچوں کی قدرتی موت پر صبر کرنے والے والدین کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی خوشخبری سنائی۔ (بحوالہ صحاح ستہ)

یتیم بچے کی حضانت (سر پرستی) کا معاملہ

ایسے حالات میں جبکہ :

☆ بیوہ مالی، تعلیمی یا معاشرتی اعتبار سے اس قابل نہ ہو کہ وہ اپنے نابالغ بچے یا بچوں کی پرورش کر سکے،

☆ یا وہ ''نکاحِ ثانی'' کرنا چاہتی ہو اور سمجھتی ہو کہ وہ ان یتیموں کی صحیح نگہداشت نہیں کر پائے گی،

> خاتم النّبیین محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائشی یتیم تھے۔ آپؐ کے والد عبداللہ بن مطلب آپؐ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وفات پا گئے تھے۔ چوتھے یا چھٹے سال آپؐ کی والدہ بھی رحلت فرما گئیں۔ ابتدا میں آپؐ کی پرورش دادا عبدالمطلب نے کی اور پھر ان کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا ابوطالب نے آپؐ کو اپنی سر پرستی میں لے لیا۔

☆ یا اس کا یہ نیا شوہر (بچوں کا سوتیلا باپ) ان بچوں کو رکھنے کا کسی وجہ سے متحمّل نہیں ہے (اگرچہ اس کی بڑی فضیلت ہے)، تو ایسی کسی بھی صورت میں ان بچوں کو کوئی دوسرا اپنی سر پرستی میں لے لے اسے ''حضانت'' کہتے ہیں۔

حضانت کا مقصد یتیم کی ہر طرح سے بہترین دیکھ بھال کرنا ہے۔ حضانت زندہ والدین کے بچوں کے لیے بھی ہو سکتی ہے جو کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن یہاں ہم موضوع کی ضرورت کے پیشِ نظر صرف یتیم بچوں کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
>
> '' میں اور یتیم کی پرورش کا ذمہ دار دونوں جنت میں اس طرح ساتھ رہیں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ہیں۔ (شہادت اور درمیان والی انگلی دکھائیں اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا)'' (صحیح بخاری، کتاب الطلاق : 5304)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

شرائط :

حضانت کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

(1) بیوہ خود (اپنی مرضی سے) چاہتی ہو کہ اس کے یتیم بچوں کو کوئی صاحبِ حیثیت اور متقی قرابت دار اپنی سر پرستی میں لے لے۔

(2) یہ صاحبِ حیثیت قرابت دار خود بھی اس کارِ خیر کو بخوشی قبول کر لے (جیسا کہ عموماً بیوہ بیٹی یا بہن کے نکاحِ ثانی سے پہلے والدین یا بھائی اس کے یتیم بچے یا بچوں کو لے لیتے ہیں)۔

(3) بچے کو بھی کسی ذہنی دباؤ یا نفسیاتی ضرر پہنچنے کا امکان نہ ہو۔ اگر وہ قدرے سمجھ دار عمر تک پہنچ چکا ہے تو اس کی مصلحتیں سمجھ کر کسی اور کی سر پرستی میں آنے پر آمادہ ہو چکا ہو۔

(4) بعض دفعہ زیرِ حضانت بچوں سے ان کے اصل والدین کے متعلق چھپایا جاتا ہے۔ پھر جب باشعور ہونے پر انہیں اچانک اور اتفاقاً قرابت داروں یا بیرونِ خانہ تعلق داروں سے حقیقت معلوم ہوتی ہے تو وہ شدید قسم کی نفسیاتی الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں شعوری عمر کی ابتدا ہی سے یہ سب مناسب طریقے سے بتا دینا ضروری ہے۔

(5) ایک سے زائد بچے ہیں تو بہتر ہے کہ یہ ایک ہی سر پرست کے زیرِ عاطفت رہیں ورنہ ماں باپ سے جدا ہونے کے غم کے بعد اب بہن بھائیوں کی جدائی کا غم ان کے ننھے ذہنوں کو مزید ضرر اور اذیت سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

سر پرست کا انتخاب

اگر مذکورہ بالا تمام معاملات صاف اور حالات اس بات کے موافق ہیں کہ بچے کی سر پرستی منتقل کر دی جائے تو اگلا قدم سر پرست کے انتخاب کے بارے میں ہے۔

بسا اوقات ایسے موقعوں پر ایک سے زیادہ قرابت دار اس سر پرستی کے اہل ہو سکتے ہیں اور ہر کوئی اپنی جگہ یتیم کی سر پرستی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اس صورت میں ترجیحات کیا ہونی چاہییں؟

نگہداشت کی اہلیت میں ماں کے بعد سب سے افضل ماں کی ماں یعنی نانی ہو سکتی ہے۔ وہ موجود نہیں یا بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے ان بچوں کی نگہداشت کی اہلیت نہیں رکھتی تو پھر خالہ ہے جو مرتبہ میں ماں جیسی ہے۔ اسی لیے ہمارے ہاں اسے ''ماں سی'' (ماسی) کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا تھا: ''خالہ ماں جیسی ہی ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

خالہ نہیں ہے، یا اگر ہے اور بوجہ کسی مجبوری حقِ حضانت ادا نہیں کر سکتی ہے تو پھر مندرجہ ذیل ترتیب کے لحاظ سے حضانت کے لیے حقداروں کا انتخاب کیا جائے گا۔

دادی، بہن، پھوپھی، بھتیجی، دادا، بھائی، بھتیجا، چچا یا تایا اسی طرح ان کے بعد کے دیگر قریبی نسبی رشتہ دار۔

خالہ کی جیت

سیّدہ امامہؓ سیّد الشہداء حمزہؓ کی بیٹی تھیں۔ 7 ہجری میں مکہ کے تین روزہ قیام کے بعد نبی ﷺ واپس مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو ننھی امامہؓ 'یا عم یا عم' کہتی ہوئی نبی ﷺ کی طرف دوڑیں۔ سیّدنا علیؓ نے اس کم سن بچی کو گود میں اٹھا لیا اور اپنے ساتھ لے جا کر سیّدہ فاطمہ کے سپرد کر دیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے (نبی ﷺ حمزہؓ کے رضاعی اور خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ان کے بھتیجے بھی تھے)۔ علیؓ کے بھائی جعفرؓ اور زیدؓ بن حارثہ کو معلوم ہوا تو وہ بھی امامہؓ کو آغوشِ تربیت میں لینے کے لیے الگ الگ دعوے پیش کرنے لگے۔

علیؓ کہتے تھے کہ امامہ میری چچا زاد ہے اس لیے سرپرستی کا حقدار میں ہوں۔ جعفرؓ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ میری بنتِ عم بھی ہے اور میری اہلیہ اس کی حقیقی خالہ بھی ہے۔ زیدؓ کہتے تھے کہ یہ میرے دینی بھائی کی بیٹی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تنازعہ کا حل جعفرؓ کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے ہوئے کیا کہ ان کی زوجہؓ، امامہؓ کی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ امامہؓ جب بلوغت کو پہنچیں تو ان کا نکاح سلمہؓ (ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے فرزند) سے ہوا جو نبی کریم ﷺ کے ربیب (زیرِ پرورش) تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلح، ح: 2699)

سرپرستی میں لیے جانے کے اس عمل میں طرفین میں سے کسی جانب سے بھی ضد یا زبردستی کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر مرحلے پر بچے کی فلاح اور بیوہ کی بھلائی کو مدِ نظر رکھا جانا چاہیے۔ یہی کامیاب سرپرستی کا تقاضا ہے، البتہ دورانِ حضانت بلوغت سے پہلے (عقل و شعور کی بنیاد پر) بچے یا ان کی والدہ یہ محسوس کریں کہ ان کی دینی و اخلاقی تربیت تسلی بخش طور پر انجام نہیں پا رہی اور دیگر ضروریاتِ زندگی مثلاً تعلیم، خوراک، کپڑا، رہن سہن وغیرہ بھی تسلی بخش نہیں تو وہ خود یا ان کی والدہ اگلے قرابت دار کی سرپرستی میں آنے کے لیے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں سابق سرپرست کی حضانت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

مدت حضانت

حضانت اور سرپرستی کی مدت لڑکے کے لیے کم از کم بلوغت تک اور زیادہ سے زیادہ جب وہ اتنا سمجھ دار ہو جائے کہ اپنی معاشی ذمہ داریاں خود اٹھا لے اور اپنے مال اور جائیداد کو خود سنبھالنے اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے کا اہل ہو جائے، اور لڑکی کے لیے حضانت اس کا نکاح کر کے شوہر کے ساتھ رخصت کر دینے تک ہے، اس کے بعد وہ شوہر ہی کی مکمل سرپرستی میں آ جاتی ہے۔

یتیم کا نفقہ اور سرپرست کی اُجرت

☆ یتیم کا نفقہ اس کے حصّہ وراثت میں سے ہے جو اس کے والد نے اس کے لیے چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

.. وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (النساء: 5)

''.... اور (ان کے اس مال میں سے جو تمہارے پاس ہیں) ان (نادان چھوٹے بچوں) کو کھلاؤ اور انہیں اس میں سے پہناؤ بھی، اور ان کے لیے اچھی بات کہو۔''

نبی ﷺ نے فرمایا، ''تہائی مال تک وصیت کیا کرو، اور یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑو، یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ تنگدست ہو کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔''
(صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ابو ہریرہؓ کے قول کا ایک حصہ ہے،''... اور بچہ (والد سے) کہے کہ مجھے کس کے حوالے کر رہے ہو، مجھے کھانے کو دو۔'' (مسند احمد، 109/12)

غیر خود مختار اولاد پر خرچ کرنا چونکہ والد ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے لہٰذا بوقتِ وفات گھر میں جو بھی بنیادی ضروریات کا سامان، اشیائے خورد و نوش اور کپڑا وغیرہ موجود ہو، وہ ان یتیموں اور بیوہ کے استعمال کے لیے ہوگا۔ کیونکہ آپؐ سے اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا خرچہ نکال رکھنا ثابت ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب النفقات)

☆ سر پرست خود اجر و ثواب کی نیت سے یتیم پر خرچ کرنا اور اس کا مال اس کے مستقبل کے اخراجات کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو یہ بھی افضل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

...وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ...
(النساء: 6)

''... یتیم کا جو سر پرست مال دار ہو، اس کو اس خدمت کے معاوضے سے بچنا چاہیے اور جو تنگدست ہو وہ قاعدے کے مطابق اس میں سے لے لے...''

یاد رہے! خضر علیہ السلام نے دو یتیموں کے دفینہ (مال) کے آثار محفوظ رکھنے کے لیے گرتی دیوار کی بلا معاوضہ مرمت کر دی تھی۔ (بحوالہ القرآن)

☆ سر پرست، یتیم کے اخراجات کا کچھ حصّہ یتیم کے مال سے اور کچھ اپنے طور پر خرچ کرنا چاہے تو اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ ابو الدرداءؓ نے نبی اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تم مجھے کمزوروں میں تلاش کرو، یقیناً تم اپنے ان ضعفاء کی وجہ سے ہی روزی اور مدد دیے جاتے ہو۔'' (سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد: 2588)

☆ اگر سر پرست کی مالی حیثیت کمزور ہو اور وہ اُجرتِ حضانت کے طور پر کچھ لینا چاہتا ہو تو اس کی اتنی ہی اجازت ہے جس سے اس بچے کے مفادات متاثر نہ ہوں اور اللہ کے حکم

کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔ (یتیم کے دیگر وارث صاحبِ استطاعت ہوں اور اپنی خوشی سے حضانت کی اجرت اس تنگدست سر پرست کو ادا کرنا چاہیں تو یہ بھی بڑی نیکی ہے) ایک شخص عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا، 'میرے پاس ایک یتیم لڑکا ہے اس کے اونٹ ہیں، کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں؟' ابن عباسؓ نے کہا:

''اگر تم اس کے گمے ہوئے اونٹ ڈھونڈتے ہو اور خارشی اونٹ میں دوا لگاتے ہو اور ان کا حوض لیپتے ہو اور ان کو پانی کے دن پانی پلاتے ہو (محنت کر کے یتیم کے اونٹوں کی خبر گیری کرتے ہو) پھر تو ان کا دودھ پی لیا کرو۔ مگر اس طرح نہیں کہ ان کے بچوں کے (پینے) کے لیے نہ بچے اور نسل کو ضرر پہنچے یا ان اونٹنیوں کو ضرر پہنچے (دودھ زیادہ لینے کے لیے جانور کو سختی سے نہ دوہے)۔'' (موطا امام مالک، کتاب الجامع، حدیث: 1464)

یتیم کے لیے وصیت

جہاں زندگی ہے وہاں موت بھی ہے یہ دونوں اللہ کے اختیار میں ہیں اور اللہ کے سوا موت کا وقت کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا ہر ایک کو ہر وقت موت کی تیاری رکھنے کی ضرورت ہے اسی زمرہ میں وصیت کا حکم بھی آتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس کے پاس کوئی قابلِ وصیت مال ہو وہ دو راتیں بھی وصیت کیے بغیر نہ گذارے''۔
(صحیح بخاری، کتاب الوصایا)

اس حکم کو ہم ایک اور حدیث کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق دے دیا ہے (ترکہ کی تقسیم خود ہی بتا دی ہے) لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں، اِلّا یہ کہ ورثاً چاہیں۔'' (سنن ترمذی، کتاب الوصایا۔ دار قطنی)

اسی طرح عمرؓ کا فرمان ہے کہ انسان اپنی وصیت میں سے (اپنی زندگی میں) جو چاہے، تبدیل کر دے۔ (سنن دارمی، کتاب الوصایا)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اس میں غور طلب نقطہ یہ ہے کہ:

ایک شخص وفات پا جاتا ہے جس کی اولاد میں کچھ بچے بالغ اور برسرِ روزگار ہیں جبکہ کچھ نابالغ اور زیرِ دست ہیں اور وفات سے پہلے اس نے وصیت کا 1/3 بھی ان نابالغ بچوں کے لیے (باقی بالغ ورثا کی رضامندی سے) لکھ رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بڑے بچوں کو پال پوس کر تعلیم دلا کر وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہے۔ اگر اسے ان چھوٹے بچوں کے بلوغت کو پہنچنے سے پہلے موت آ گئی تو اگرچہ اس کا ترکہ قرآنی قانونِ وراثت کے مطابق سب بچوں کو مل جائے گا جن میں یہ چھوٹے بھی شامل ہیں تاہم ان چھوٹوں کو ابھی تعلیم دلانا، پرورش کے دیگر اخراجات پورے کرنا وغیرہ، جیسا کہ اس نے بڑے بچوں کے لیے کیے تھے، ابھی باقی ہیں۔

لہٰذا اس شخص نے ترکہ کا 1/3 ان نابالغ بچوں کی ضروریات کے لیے بطورِ وصیت لکھ رکھا تھا۔

اسی مثال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسے شخص کی ابھی وفات تو نہیں ہوئی البتہ وصیت اسی طرح لکھ رکھی ہے اور روزگار بھی کما رہا ہے۔ پھر جب اس کے چھوٹے بچے بھی بڑے بچوں کی طرح پل جاتے ہیں تو اس کے بعد وہ اپنی وصیت تبدیل کر لیتا ہے اب وہ غیر وارث عزیزوں میں سے کسی مستحق کے لیے یہ وصیت (ترکہ کا 1/3 یا 1/4) کرتا ہے اور مطمئن و شکر گزار ہے کہ اللہ نے اس کے تمام بچوں کو اس کی زندگی میں مستحکم کر دیا۔ واللہ اعلم

مشترکہ خرچ کی صورت میں احتیاط لازم ہے

اُجرتِ حضانت سے الگ، یتیموں کے اخراجات ان کے اپنے مال سے پورے کرنے کی کیا تدبیر ہو؟ جبکہ ایک ہی گھر میں رہن سہن، کھانے پینے اور دیکھ بھال کے دیگر معاملات مشترکہ طور پر چل رہے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جس گھرانے میں بھی یتیم کی پرورش ہو رہی ہے، کیا وہ اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے اتنا محتاط رویہ اختیار کر لیں کہ اس کا کھانا پینا الگ کر دیں تاکہ ان یتیموں کے مال کا کوئی حصہ ان کے مال میں مل کر خرچ نہ ہو جائے؟ یا کیا خاتونِ خانہ اس بچے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کے بالغ ہونے تک کی ایک طویل مدت اپنے خاندان کا کھانا الگ پکاتی رہے اور یتیم کے لیے الگ،..... تو یہ سب ناقابلِ عمل بلکہ ناممکن ہو سکتا تھا اسی لیے قرآن میں معتدل اسلوب سکھایا گیا:

... وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○ (البقرۃ:220)

’’اور وہ آپؐ سے یتیموں کے ساتھ معاملہ سے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے! ان کی اصلاح کرتے رہنا بہترین طرزِ عمل ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا رہنا سہنا اور خرچ مشترکہ رکھو تو کوئی حرج نہیں، آخر وہ تمہارے بھائی ہی ہیں، برائی یا بھلائی کرنے والے دونوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس بارے میں تم پر سختی کرتے، بلاشبہ وہ صاحبِ اختیار اور حکمت والے ہیں۔‘‘

اور اگر اخراجات کا یکجا کرنا، یتیم کا مال بدنیتی اور ظلم سے کھانے کا محض ایک بہانہ ہے تو پھر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سرزنش فرماتے ہیں:

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ○ (النساء:2)

’’اور ان (یتیموں) کے مال اپنے مال کے ساتھ نہ کھاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔‘‘

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ○ (النساء:10)

’’جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں یقیناً اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو!‘‘

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، ’یارسول اللہؐ! وہ کیا ہیں؟‘ فرمایا:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جادو کرنا (یا کرانا) اور اس نفس کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا البتہ حقِ شرعی کے ساتھ (جائز ہے) اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور (فی سبیل اللہ) لڑائی کے وقت بھاگ جانا اور پاکدامن مومن غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

بہر حال مال اور مالداری کے فتنہ سے تو ویسے ہی ہر مسلمان کو اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔ خصوصاً یتیم کے مال کے معاملے میں سرپرست کو کسی فتنے میں پڑنے سے بچنے کے لیے انتہائی احتیاط اور بہت دعا کی ضرورت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''یہ دنیا کا مال ہرا بھرا اور شیریں (خوشنما اور لذیذ) ہے، جو اس کو خوش گزران کے طور پر لے گا، اس کے لیے تو اس میں برکت ہوگی اور جو کوئی اسی میں نیت لگا کر (حرص اور طمع کے ساتھ) لے گا، اس کو برکت نہ ہوگی۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

یتیم کے مال کی حفاظت و سرمایہ کاری

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (الانعام: 152)

''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، حتیٰ کہ وہ اپنے سنِ رُشد کو پہنچ جائے......''

> ابو طلحہؓ نے نبی کریم ﷺ سے ان یتیموں کی بابت دریافت کیا جن کے ورثہ میں شراب آئی تھی تو آپؐ نے فرمایا، ''اسے پھینک دو۔'' ابو طلحہؓ نے عرض کیا، 'حضور! ہم اس کا سرکہ نہ بنالیں؟' فرمایا، ''نہیں۔'' (مسند احمد: 119/3)

سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ یتیم کے مال و جائیداد کی اسی طرح حفاظت اور دیکھ بھال کرے جیسے کہ وہ اپنے مال اور جائیداد کی کیا کرتا ہے۔ نیز اس کے روپیہ کو بہترین طریقے سے کسی مناسب کاروبار میں جائز اور حلال نفع کے حصول کے لیے لگائے تاکہ لڑکا ہے تو خود کمانے کی عمر کو پہنچنے تک، اور لڑکی ہے تو رخصتی تک تمام ضروری اخراجات میں ان یتیموں کو کسی قسم کے مصائب،

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مشکلات، محرومیوں وغیرہ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

...وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ (النساء: 9)

''...لوگوں کو اس بات کا سوچ کر ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے۔ تو چاہیے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور راستی کی بات کیا کریں۔''

صحابیاتؓ کی سنت تھی کہ شہداء کے یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کرتی تھیں۔ سیّدہ عائشہؓ بھی یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعے سے اس کو ترقی دیں۔

(بحوالہ موطا امام مالک، کتاب الزکوۃ، باب اموال الیتامیٰ والتجارۃ فیہا: 523)

یتیم کے مال کی وصولی اور واپسی

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ... (البقرۃ: 283)

''... تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے ...''

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ... (النساء: 58)

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کردو ...''

سرپرستی میں لینے کے موقع پر یتیم کے مال و جائیداد کو لازماً گواہان کی موجودگی میں وصول کرنا چاہیے، اس کے لیے باقاعدہ تحریری ثبوت ہونا بھی ضروری ہے تاکہ بعد میں کسی طرف سے کسی قسم کی رنجش پیدا نہ ہو۔ اسی طرح سرپرست اس یتیم کا مال جس بھی کاروبار میں لگائے، اس کے نفع نقصان کا حساب کتاب لکھتا رہے۔ بلکہ جو حق الخدمت لے وہ بھی اعلانیہ لے اور اس کا بھی کوئی تحریری حساب رکھے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

...وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْا...(البقرة:282)

''...اور کسی بھی معاملہ کی دستاویز لکھوا لینے میں سستی نہ کرو خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ انصاف پر مبنی ہے اور گواہی قائم ہونے کے لحاظ سے بھی یہ درست ہے۔ اور شکوک و شبہات میں تمہارے مبتلا ہونے کا امکان بھی کم رہ جاتا ہے ....''

☆ البتہ نابالغ بچوں کے لیے اس بات کی پابندی ہے کہ بلوغت (عقل کی استعداد) تک اس مال میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں پھر جب سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو حکم ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ (النساء:6)

''...اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ حدِّ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ کہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔''

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ... (النساء:2)

''یتیموں کے مال ان کو واپس دو اور اچھے مال کو بُرے مال سے نہ بدلو...''

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ (النساء:6)

''... پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو، اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مال ان کے حوالے کرنے کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں:

ایک بلوغت، دوسرے رُشد، یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت۔

پہلی شرط کے متعلق تو فقہائے اُمّت میں اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ اگر سنِ بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رُشد نہ پایا جائے تو یتیم کے ولی کو زیادہ سے زیادہ سات سال اور انتظار کرنا چاہیے۔ پھر خواہ رُشد پایا جائے یا نہ پایا جائے' اس کا مال اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ امام یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کی رائے ہے کہ مال حوالے کیے جانے کے لیے بہر حال رُشد کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ غالباً موخّر الذکر حضرات کی رائے کے مطابق یہ بات زیادہ قرینِ صواب ہوگی کہ اس معاملہ میں قاضی شرع سے رجوع کیا جائے جو رشد کی کمی ثابت ہو جانے پر اس کے معاملات کی نگرانی کے لیے خود کوئی مناسب انتظام کر دے''۔ (از تفسیر تفہیم القرآن)

عربی مقولہ [كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا] ہر کام اپنے وقت پر موقوف ہے۔

یتیم لڑکیوں کا معاملہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے:

...... وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ○ (النساء:127)

''جو احکام تمہیں سنائے جا رہے ہیں وہ ان یتیم لڑکیوں سے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو اور یہ احکام ان بچوں سے متعلق بھی ہیں جو زور نہیں رکھتے، اور یہ حکم بھی کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھی بھلائی تم کرو، اللہ اسے جانتے ہیں۔''

سیّدہ عائشہؓ اس آیت کی تفسیر کرتی ہیں کہ ''یہ ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو ایک یتیم لڑکی کی پرورش کر رہا ہو، اس کا ولی اور وارث بھی وہی ہو اور یہ لڑکی اس کے مال میں بھی حصہ دار ہو حتیٰ کہ کھجور کے درخت میں (بھی شرکت رکھتی ہو)۔ اب وہ شخص اس لڑکی سے خود نکاح کر لینا چاہے، یا دوسرے کسی سے اس کا نکاح کرنا اس خیال سے پسند نہ کرے کہ وہ اس کے مال میں شریک ہو جائے گا اور اسی خیال سے اس لڑکی کو بٹھا رکھے۔'' (صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن : 4600)

سیّدہ عائشہؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی، وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تب تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحبِ جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے، مگر اس حال میں بھی چونکہ ان بچیوں کا کوئی اور سرپرست نہ ہوتا تھا، تو ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دیئے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیمہ جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی دوسری لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی دے، اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہیے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔

یہ بھی روایت ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیمہ کا ولی جب اس کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا، اب کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس سے نکاح کر سکے۔ اگر وہ خوش شکل ہوتی تو نکاح کر کے اس کا مال بھی حاصل کر لیتا اور صورت شکل اچھی نہ ہوتی مگر مالدار ہوتی تو اس مال کی خاطر اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے رکھتا، وہ بیچاری یونہی بے نکاح مر جاتی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں چھوٹے لڑکوں اور چھوٹی یا بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان تمام رسموں کو مٹایا۔ (بحوالہ ابن کثیر، سورۃ النساء : 127)

جنگ اُحد کے بعد سعدؓ بن رَبیع کی بیوہ دو بچیوں کو لیے نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا، 'یا رسول اللہ! یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ اُحد میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے۔

ان کے چچا نے پوری جائیداد پر قبضہ کر لیا اور ان کے لیے ایک حبّہ تک نہیں چھوڑا۔ تو اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا؟' اس پر سورۃ النساء کی آیاتِ میراث (11-10-9) نازل ہوئیں۔
(سنن ترمذی، کتاب فرائض عن رسول اللہ ﷺ، حدیث : 2092)

احادیثِ رسول ﷺ

''اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں یعنی عورت اور یتیم کے حق کو ضائع کرنے سے بہت ڈراتا ہوں۔''
(کہ ان میں کوتاہی نہ کریں) (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، حدیث : 3678)

''اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی میں کیسے اعلیٰ مقام عطا کریں گے جو اپنے معاشرے کے کمزور کو اپنے طاقتور سے حق نہیں دلا سکتی۔'' (المعجم للطبرانی)

''مظلوم کی بددعا سے ہر وقت بچتے رہنا، کیونکہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے۔''
(صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث : 3059)

''مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچو کیونکہ ان دونوں کی بددعا رات کو اللہ کی طرف چلتی ہے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔'' (نصائح ابوالدرداء، اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ج: 1، ص: 221)

''مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے مابین کوئی حجاب (روک) نہیں ہوتا۔''
(صحیح بخاری، کتاب المظالم، حدیث : 2448)

''جس نے کسی کی رسوائی، دل آزاری یا کوئی اور ظلم کیا ہو تو وہ آج دنیا میں معاف کرا لے اس دن سے پہلے، جب (کفارہ کے لیے) نہ دینار ہو گا نہ درہم البتہ اس کے پاس صالح عمل ہو گا جو اس کے ظلم کے بقدر لے کر دلا یا جائے گا اور اگر نیک عمل نہ ہوا تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈالی جائیں گی۔ (ایضاً)

یتیم کی اچھی تربیت

یتیم کے مال کی نگہداشت اور جسمانی پرورش کے ساتھ ساتھ اس کی اچھی تربیت کرنا بھی سرپرست کی ذمہ داری ہے تا کہ بن ماں باپ کے یہ بچہ معاشرے کا ذمہ دار فرد بن سکے۔ وہ اسے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دینی آداب اور دنیاوی اطوار سکھائے اور اس کے لیے خود کو بھی اچھا نمونہ اور مثال بنا کر دکھائے۔ اچھے اداروں سے تعلیم دلانے کے علاوہ اس کے لیے قرآنی تعلیم وتفہیم کا بندوبست کرے اور نماز فرض ہو جانے کی عمر سے باقاعدہ نمازوں کا عادی بنائے۔ یوں بہترین ماحول میں بہترین طریقے سے پرورش پا کر وہ ایک ایسی شخصیت بن سکتا ہے جو اس سرپرست کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن جائے۔ بصورت دیگر وہ بڑا ہو کر اسی سرپرست کے لیے رسوائی اور ذلت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

سختی نہیں نرمی

ربّ کریم کا ارشاد ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ o (الضحٰی :9)

’’پس تم یتیم کے ساتھ سختی سے مت پیش آؤ۔‘‘

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’بیشک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں، نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔ نرمی پر اتنا کچھ عطا فرما دیتے ہیں جو سختی پر یا اس کے سوا کسی چیز پر عطا نہیں فرماتے۔‘‘ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، حدیث :6601)

یتیم کا خیال رکھنے والے کا اپنا دل بھی نرم ہوتا ہے۔

ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کے بارے میں شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا، ’’اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو تو مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔‘‘ (مسند احمد : 7576)

یتیم کی تربیت کے حوالے سے نرمی برتنے سے یہ بھی مقصود نہیں کہ ہر موقع اور ہر حالت میں اسی نرم طرزِ عمل کو اختیار کیا جائے بلکہ یہ تو یتیم کو کمزور اور بے آسرا سمجھ کر اس پر سختی وظلم کرنے والوں کا ہاتھ روکنے کے لئے تلقین کی گئی ہے۔ البتہ اگر بے جا لاڈ، پیار اور نرمی سے ان بچوں کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو یاد رہے کہ اصلاح کے پیش نظر ان پر اس نرمی میں کچھ کمی کرنا اس حکم کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ صرف احتیاط یہ کرنا ہے کہ زائد ہمدردی بچے کو بگاڑ نہ دے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ والدہ کا بچے سے اور اس کے سرپرست سے کچھ نہ کچھ رابطہ رہے۔ ضرورت پڑنے پر والدہ کا بچے کی اصلاح کے لیے سرزنش کرنا کچھ اور معنی رکھتا ہے جبکہ ممکن ہے سرپرست اس معاملے میں احتیاط اور لحاظ برتنا چاہے اور اس کے مثبت نتائج برآمد نہ ہوں، یا پھر دوسری صورت میں اس کا سختی کرنا بچے کو ضدی اور باغی بنا دے۔ لہٰذا یتیم کی والدہ کو ایسی کسی بھی صورت حال میں جذبات کی بجائے عقل وحکمت سے کام لیتے ہوئے سرپرست سے مکمل تعاون کرنا چاہیے تا کہ بچے کی تربیت کرنا سرپرست کے لیے وبال جان بھی نہ بن جائے۔

اسماء بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابنِ سیرینؒ سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک یتیم ہے تو انہوں نے فرمایا، ’’اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو جیسے تم اپنے بیٹے کے ساتھ معاملہ کرتے ہو (تربیت کی خاطر اور صرف ضرورتاً) اس کو اتنا ہی مارو جتنا تم اپنے بیٹے کو مارتے ہو (اس سے زیادہ نہیں)۔‘‘ (الادب المفرد للبخاری، حدیث: 140)

شمیسہ عتکیہ سے روایت ہے، سیدہ عائشہؓ کے روبرو یتیم کو ادب سکھانے کا ذکر ہوا تو فرمانے لگیں: ’’میں یتیم کے سیدھے ہونے تک (ضرورتاً) اس کی پٹائی کرتی ہوں۔‘‘ (الادب المفرد للبخاری، حدیث : 142)

یتیم کا اکرام

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ o كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ o وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ o وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا o وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا o (الفجر : 16,17,18,19,20)

’جب اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں تو اس کی روزی تنگ کر دیتے ہیں پھر وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا، ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کا اکرام

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION
© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نہیں کرتے، اور نہ ہی مسکین کو کھلانے پر کسی کو آمادہ کرتے ہو، اور تم میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو۔''

قرآن مجید میں ایک اور جگہ اِرشاد ہوتا ہے:

اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ o فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ o
وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ o (الماعون:1,2,3)

''بھلا دیکھا تم نے اس شخص کو جو جھٹلاتا ہے جزا و سزا کو؟ سو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیا کرتا۔''

یتیم کے ساتھ حسن سلوک سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی خلق کے دل میں بھی اس بندے کی قدر و منزلت بڑھاتے ہیں۔ رحمت اللعالمین نبی کریم محمد ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں بذاتِ خود بھی یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بے شمار مثالیں قائم کیں اور اپنے اہلِ خانہ اور پوری امت کو بھی اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی۔

بشرؓ بن عقربہ کہتے ہیں کہ اُحد کے دن میری نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ میرے والد کا کیا ہوا؟ فرمایا: ''وہ تو شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں۔''

میں یہ سن کر رونے لگا۔ آپؐ نے مجھے پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اپنی سواری پر ساتھ بٹھایا اور فرمانے لگے: ''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں اور عائشہ تمہاری ماں؟''

(بیہقی، شعب الایمان)

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابو بکرؓ جب وفات پا گئے تو ان کے یتیم بچوں کی پرورش سیدہ عائشہؓ نے کی۔ (بحوالہ موطا امام مالک)

سیدنا حسنؓ سے روایت ہے کہ ایک یتیم ابنِ عمرؓ کے کھانے پر حاضر ہوا کرتا تھا، ایک دن انہوں نے کھانا منگوایا اور اس یتیم کو تلاش کیا، وہ نہ ملا۔ پھر وہ ابنِ عمرؓ کے کھانا کھا لینے کے بعد آیا۔ ابنِ عمرؓ

نے اُس کے لیے کھانا منگوایا تو اُن کے ہاں مزید کھانا نہ تھا لہٰذا ستو اور شہد لایا گیا۔

ابنِ عمرؓ نے کہا: ''لے لو یہ (کھا لو)۔'' پھر کہنے لگے: ''واللہ! تم نقصان میں نہیں رہے۔''

(ہم نے جو کچھ کھایا تمہیں اس سے بہتر مل گیا)۔''

روایت نقل کر کے حسنؓ نے فرمایا: ''ابنِ عمرؓ بھی نقصان میں نہیں پڑے۔'' (انہوں نے یتیم کو عمدہ چیز پیش کر کے اجر کمایا) (الادب المفرد للبخاری)

یتیموں کے لیے زکوٰۃ

سیدہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو زینبؓ جو عبداللہؓ کی بیوی تھیں، بولیں: 'کیا میری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر میں اپنے خاوند کو صدقہ دوں؟ وہ محتاج ہیں اور اپنے یتیم بھتیجوں کو بھی (صدقہ دوں)؟ اور میں ہر حال میں ان پر خرچ کرتی ہوں اتنا اور اتنا'۔

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اجر بھی دوہرا ملے گا۔ ایک صدقہ کا، اور دوسرے رشتہ جوڑنے کا۔'' (زینبؓ ماہر دستکار تھیں اور بہت روپیہ کماتی تھیں) (سنن ابن ماجہ)

یتیم کے دیگر حقوق کا پاس

سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ پہنچے تو بنی عمرو بن عوفؓ کے محلّہ میں اُترے۔ یہ پیر کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ آپؐ کئی راتوں تک اسی محلّہ میں رہے اور 'مسجد قبا' کی بنیاد ڈالی۔ پھر ایک دن اونٹنی پر سوار ہوئے تو لوگ آپؐ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے یہاں تک کہ آپؐ کی اونٹنی وہاں جا کر بیٹھ گئی، جہاں اب مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ ہے۔ ان دنوں وہاں چند مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے وہ سہیل اور سہل دو یتیم لڑکوں کے کھجوریں سکھانے کا مقام تھا، جو اسعد بن زُرارہ کی پرورش میں تھے۔ جب آپؐ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو فرمایا:

''اللہ نے چاہا تو یہی (ہمارے) رہنے کی جگہ ہوگی۔''

پھر نبی ﷺ نے ان دونوں لڑکوں کو بلایا اور ان سے اس زمین کی قیمت پوچھی اور فرمایا:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

''ہم اس زمین کو مسجد بنائیں گے۔''

انہوں نے کہا،'یارسول اللہ! ہم یہ زمین آپ کو مفت دیتے ہیں۔'

آپؐ نے مفت لینے سے انکار کر دیا، آخر ان سے قیمتاً خرید لی۔ پھر وہاں مسجد بنانا شروع کی اور نبی ﷺ مسجد بناتے وقت لوگوں کے ساتھ اینٹیں ڈھوتے اور فرماتے جاتے:

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ	هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ
یہ بوجھ خیبر کے (بے فائدہ) بوجھ نہیں ہیں	اس میں اے ہمارے رب! بڑی نیکی اور پاکیزگی ہے
اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَةِ	فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ
اے اللہ! اجر تو بے شک آخرت ہی کا ہے	پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرمائیے!

یہ اشعار ایک مسلمان کے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث: 3906)

یتیم کے لیے بھلائی کی تدبیر

سیدنا انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کے پاس کوئی خدمت گار نہ تھا۔ سیدہ اُم سلیمؓ (میری والدہ) کے ایماء پر ابوطلحہؓ (جو میری والدہ کے دوسرے شوہر تھے) نے میرا ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا:

'یارسول اللہ! انس ایک سمجھدار لڑکا ہے یہ آپ کی خدمت میں رہے گا۔'

انسؓ کہتے ہیں،'پھر میں سفر اور حضر دونوں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا۔ (دس برس کی مدت میں) آپ ﷺ نے کبھی مجھ سے (کسی کام کے بعد) یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام ایسا کیوں کیا؟ اور جس کام کو میں نہیں کر سکا اس کے لیے یوں نہیں فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''
(صحیح بخاری، کتاب الوصایا، حدیث: 2768)

ولی یا وصی بننا

فوت شدہ کی جائیداد کی اس کے یتیم بچوں کے لیے خبر گیری کرنے والا، تا کہ کوئی غیر مستحق اسے لے نہ اُڑے، وصی کہلاتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کو کوئی وصی بناتا تو وہ کبھی انکار نہ کرتے۔

محمدؒ بن سیرین (تابعی) کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ یتیموں کے مال وجائداد کے سلسلے میں ان کے ولی اور خیر خواہوں کو جمع کرتے تا کہ ان کے لیے کوئی اچھی صورت پیدا کرنے کے لیے غور کریں۔

طاؤسؒ بن کیسان (تابعی) سے یتیموں کے بارے میں کوئی سوال پوچھتا تو وہ یہ آیت پڑھتے:

... وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ (البقرۃ: 220)

''... اور اللہ تعالیٰ ہی فساد پیدا کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کو خوب جانتے ہیں۔''

عطاءؒ نے یتیموں سے متعلق کہا،''یتیم خواہ معمولی لوگوں میں سے ہو یا بڑے درجے کا، ولی ان کے حصے میں سے ان کے درجے کے مطابق ان پر خرچ کرے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الوصایا: 2767)

بہترین پرورش کی خاطر

بعض صحابیاتؓ کی زندگی سے یتیم بچوں کی پرورش کی خاطر نکاحِ ثانی نہ کرنے یا اسے ملتوی رکھنے کی مثال ملتی ہے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے اُم ہانیؓ (ابوطالب کی بیٹی) کو نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے کہا کہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میرے بچے بھی ہیں (جن کی پرورش کرنا میرے لیے ضروری ہے اس لیے بیک وقت دو ذمہ داریاں یعنی بچوں کی پرورش اور شوہر کی خدمت نبھا نہ سکوں گی)۔

تب آپؐ نے قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی،''شتر سوار عورتوں میں سے بہترین قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے (یتیم) بچوں سے اُن کے بچپن میں محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بھی بہت حفاظت کرتی ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل الصحابۃ، حدیث: 6458)

اُم سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو ان کے پیارے بیٹے انسؓ بن مالک بہت چھوٹے تھے، انہیں ہر طرف سے نکاح کے پیغامات آنے لگے، لیکن انہوں نے ہر ایک کو جواب میں یہی کہا کہ جب تک میرا بچہ مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور مناسب گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے میں کسی سے نکاح نہیں کر

AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سکتی۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے ان کی کامل نشوونما اور ایسی اعلیٰ تربیت کی کہ سید المرسلین ﷺ کی خدمت کے قابل بنا دیا۔ آپؐ نے بھی ان کی خدمت کو شرفِ قبولیت بخشا۔ چنانچہ انسؓ خود اعتراف کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے میری ولایت کا حق ادا کر دیا۔ (بحوالہ تذکارِ صحابیاتؓ، اُسوہ صحابیاتؓ)

مقروض شہید کی یتیم بچیاں اور رحمۃ للعالمین کا معجزہ

جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد اُحد کے روز شہید ہوئے، جبکہ وہ مقروض تھے۔ انہوں نے چھ (چھوٹی چھوٹی) بیٹیاں (یتیم) چھوڑیں۔ پھر جب ان کے باغ کی کھجوریں پک کر اترنے کا وقت آیا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں، میرے والد اُحد کے دن شہید ہو گئے اور بہت سی قرضداری اور میری بہنیں چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ (آپ تشریف لائیں) آپ کو قرض خواہ دیکھ لیں (تو شاید آپ کے لحاظ کی وجہ سے کچھ تخفیف کر دیں)۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ''اچھا تم باغ میں چلو اور ہر قسم کی کھجور کا الگ الگ ڈھیر لگاؤ۔''

میں نے ایسا ہی کیا پھر ان کو بلا بھیجا۔ جب ان لوگوں نے آپؐ کو دیکھا تو مجھ سے ایسا پرزور تقاضا کرنے لگے جیسا پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ آپؐ نے جب ان لوگوں کا یہ رویہ دیکھا تو کھجوروں کے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگا کر اس پر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:

''اپنے ساتھیوں (قرض خواہوں) کو بلاؤ۔''

پھر آپؐ ان کو ماپ ماپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا پورا قرضہ ادا کرا دیا، اور میں تو اتنے پر ہی راضی ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کا قرضہ ادا کرا دیں خواہ میں اپنی (چھوٹی چھوٹی یتیم) بہنوں کے پاس ایک کھجور کے ساتھ بھی نہ لوٹوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب ڈھیروں کو (جوں کا توں) بچا دیا، حتیٰ کہ جس ڈھیر پر نبی ﷺ بیٹھے تھے، میں دیکھتا تھا گویا کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

تبنیت (گود لینا)

تبنیت کیا ہے؟

تبنیت میں کسی کے بچے کو گود لے لیا جاتا ہے اور اس کی پرورش اور تربیت مالی اخراجات سمیت اس طرح کی جاتی ہے جیسے کہ اپنی حقیقی اولاد کے لیے کی جاتی ہے، یہ حضانت سے مختلف ہے۔

ماقبل اسلام

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں تبنیت کا بہت رواج تھا۔ ''لے پالک'' یا ''متبنّٰی'' مندرجہ ذیل خصوصیات اور ترجیحات کا حامل ہوتا۔

- اپنا حقیقی نسب موجود اور معلوم ہونے کے باوجود اسے پالنے والے باپ کے نام سے ہی منسوب کیا جاتا۔
- وراثت اور دیگر مراعات میں اسی طرح حصہ دار بنایا جاتا جس طرح کہ حقیقی اولاد کو بنایا جاتا، جس کے نتیجے میں صلبی قرابت داروں کے دلوں میں کینہ اور نفرت جیسے جذبات پیدا ہوتے۔
- متبنّٰی بالغ ہونے پر بھی گھر کی عورتوں کے ساتھ اسی طرح گھلا ملا رہتا جیسے حقیقی اولاد ہوتی ہے، حالانکہ وہ اب ان کے لیے نامحرم ہوتا تھا۔
- اسی طرح گود لینے والے کے لیے متبنّٰی اور اس کے حرام رشتے بھی حرام ہی رہتے یہاں تک کہ متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے نکاح بھی حرام سمجھا جاتا۔

مابعد اسلام

اسلام انسانی معاشرے کی بہتری کے لیے اصلاحی قوانین لے کر آیا تو منہ بولا بیٹا بنانے کے مندرجہ بالا تمام مفروضات شرعی احکامات کے خلاف جاتے تھے، لہٰذا:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کے نام سے منسوب کرنے کو حرام قرار دے دیا گیا۔

قرآن کریم میں اِرشاد ہوا:

مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِیۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔىۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ يَهۡدِی السَّبِيۡلَ ۝ اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ ؕ وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ (الاحزاب: 4,5)

’’اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے اور نہ اس نے تم لوگوں کو ان بیویوں کو جن سے تم ظِہار کرتے ہو، تمہاری ماں بنا دیا ہے اور نہ ہی اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے، یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے مونہوں سے نکال دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی بات حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اور وہ درست طریقے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں‘ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو‘ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے، اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق تو ہیں ہی‘ نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے مگر اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔‘‘

زیدؓ بن حارثہ کو عرب رواج کے مطابق نبی کریم ﷺ نے نبوت سے قبل اپنا متبنّٰی بنا رکھا تھا۔ انہیں زیدؓ بن محمد کہا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا آیت کے نزول کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔

اب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا:

’’جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا جبکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الفرائض: 6766۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 220)

’’اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو (انہیں چھوڑ کر اپنی نسبت دوسروں کی طرف نہ کرو)، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الفرائض: 6768)

☆ وراثت کی آیات میں حقیقی (نسبی) وارثوں کے حصے مقرر کر دیے اور صاف فرما دیا:

وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ ... (النساء: 33)

’’اور ہم نے ہر اُس ترکے (وراثت) کے حق دار مقرر کر دیے جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں ...۔‘‘

... وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ ... (الانفال: 75)

’’... اور اللہ کی کتاب میں خون کے بعض رشتے دار بعض سے زیادہ حقدار ہیں ...۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دلا دیا ہے لہٰذا کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔‘‘ (سنن ابوداؤد، کتاب الوصایا: 2870)

☆ اللہ تعالیٰ نے غیر مخلوط سوسائٹی کے نفاذ کے لیے مصنوعی رشتوں کو ختم کر کے اسلامی معاشرت کو ہر قسم کے خطرات سے پاک کر دیا تا کہ افراد اور خاندان اور پھر تمام معاشرہ تقدس اور حیا کے دائرے میں محفوظ رہے اس کے لیے متعدد آیات اور احادیث میں پردہ اور محرم، نامحرم کے فرق کو واضح کیا گیا۔ بڑے خاندانوں میں ایک ہی چھت کے نیچے رہنے والے مکینوں میں باہمی اختلاط کے امکانات کے پیشِ نظر حدود مقرر کر دیں۔

قرآنی آیات کے ذریعے: غَضُّ مِنَ الۡبَصَرِ... (نگاہوں کو جھکا لیا کرو)، وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ... (اپنی آوازوں کو پست رکھو)، لَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ... (نہ تم ایسی نرمی سے بات

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کرو کہ دوسرا غلط مطلب لے) ، وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ... (اور زمین پر پاؤں مار کر نہ چلو)، اور احادیثِ رسول ﷺ کے ذریعے: لَا تَتۡبَعِ النَّظۡرَةُ النَّظۡرَةَ... (پہلی نگاہ کے بعد نظر بچاؤ)، میں سب کچھ واضح کر دیا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''(غیر محرم) عورتوں کے پاس خلوت میں رہنے سے بچو''۔ ایک شخص نے حمو (شوہر کے مرد رشتہ دار خصوصاً دیور، جیٹھ) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''حمو موت ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح: 5232۔ صحیح مسلم، کتاب السلام: 5674)

ان تمام احکامات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ متبنّٰی اگر نامحرم ہے تو اُس سے بھی پردہ لازمی ہے۔

☆ منہ بولے ناطوں کے خود ساختہ تعلق کی وجہ سے جن رشتوں سے نکاح مکروہ قرار دیا جاتا تھا اُسے اسلام نے حلال، حرام (ابدی حرام، عارضی حرام) کی درجہ بندی کر کے واضح کر دیا۔

عربوں کے لیے ان قدیم اور جاہلی رسومات سے نکلنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ عالی سے ان تمام احکامات اور اقدامات کی ابتدا اپنے رسول ﷺ سے ہی فرمائی اور انہیں وحی کیا کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے خود نکاح کر کے اس حکم کا عملی نمونہ بنیں۔

... فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ۝ (الاحزاب:37)

...'' پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکے، تو ہم نے اُس (مطلقہ خاتون سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم عمل میں آنا ہی تھا۔''

سورۃ النسآء: 22,23,24 میں جہاں نکاح کے لیے حرام کی گئی عورتوں کا ذکر کیا وہاں یہ بھی فرما دیا کہ'' تمہاری اپنی صلب سے جو لڑکے ہوں ان کی بیویاں (مطلقہ یا بیوہ) تم پر حرام ہیں۔'' اور ہاں رضاعی لڑکا، نسبی اور صلبی لڑکے ہی کے حکم میں ہے۔

تبنیت کی جائز صورت

اس کے برعکس تبنیت کی ایک جائز اور بالکل مختلف صورت بھی ہے جس کے تین پہلو نظر آتے ہیں:

1۔ گود لیے جانے والا بچہ یتیم اور لاوارث ہے، اُس کے ساتھ مالِ وراثت بھی نہیں ہے۔ نیز گم شدہ اور لاوارث بچہ بھی یتیم ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ ایسے بچے کا خیال رکھنا اور اس کی پرورش و پرداخت کرنا پسندیدہ اسلامی شعار میں سے ہے۔

2۔ گود لینے والا جوڑا بے اولاد ہے۔

بے اولاد لوگوں کا ایسے بچے پر خرچ کرنا اور اپنی زندگی میں کچھ ہبہ کر دینا، دونوں طرح سے فائدہ مند ہے۔ یعنی اگر وہ بے سہارا اور یتیم ہے تو اللہ کی خاطر اس پر خرچ کرنے کا ثواب اور اگر قرابت داروں کی اولاد میں سے ہے تو صلہ رحمی کا بھی اجر۔

ایسا متبنّٰی پھر بھی وراثت کا حق دار نہیں ہو سکتا البتہ اگر گود لینے والے والدین چاہیں تو ایک تہائی وصیت میں اُس کا حصّہ مختص کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ بالغ ہونے پر نامحرم کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اسے خود مختار زندگی گزارنے کے لیے الگ کرنا پڑے گا۔

3۔ تیسری صورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص تھی کہ وہ علم کے طلبگار' اپنے شاگردوں کو دین کے جواہر سینہ بہ سینہ تا قیامت آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے متبنّٰی کر لیتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ تاکید کہ'' جو حاضر ہوں وہ غائب تک پہنچا دیں'' کے تحت بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علمِ دین کی تعلیم و اشاعت کے لیے دور دراز کے ملکوں میں پھیل گئے۔ اسی وقت سے مدینہ منورہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

میں بھی جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے زیرِ نگرانی مختلف تعلیمی ادارے قائم ہو گئے، تاہم مرکزی حیثیت مسجدِ نبوی ﷺ کے اس نورانی گوشہ ہی کو حاصل رہی جہاں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی سرپرستی میں مستقل درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ لوگ دور دراز کے ممالک سے آ کر اس حلقہ درس میں شریک ہوتے، مسائل پیش کرتے، اپنے شبہات کا ازالہ کرتے۔

ان میں مقامی اور غیر مقامی سب طرح کے شاگرد تھے جنہیں کاشانۂ نبوی ﷺ میں پردہ اور سوال پوچھنے میں جھجک کی وجہ سے مشکلات بھی پیش آیا کرتی تھیں۔ علم کے حصول کے لیے اپنے شاگردوں کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے سیدہ عائشہؓ ان کی ڈھارس یوں بندھاتیں کہ:

"جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے، مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔"

ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی ایک مرتبہ اسی طرح کی مشکل پیش آئی تو سیدہ عائشہؓ نے فرمایا:

"میں تو تمہاری ماں ہوں۔"

مختلف روایتوں میں جن زیرِ پرورش شاگردوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان کی لمبی فہرست ہے۔

ابنِ سعدؒ نے 'طبقات' میں ان کے زیرِ پرورش شاگردوں کو گنوایا ہے۔ اسی طرح ابنِ حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں زیرِ تعلیم عزیزوں، غلاموں، صحابیوں اور تابعیوں کی الگ الگ فہرست تیار کی ہے۔ جن کی تفصیلات لکھنے کے لیے کئی صفحات کی ضرورت ہو گی۔

سلسلہ درس و تدریس میں سہولت کے پیشِ نظر سیدہ عائشہؓ نے بہت سے بچوں کو بھی متبنّٰی کیا، تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت میں بھی آسانی رہے۔ ایسے بچوں کی وہ مادرانہ شفقت سے سرپرستی کرتی تھیں اور اُن کے مصارف کی بھی ذمہ داری اُٹھاتی تھیں۔ ان میں خاص طور پر شہر کے یتیم بچے بھی شامل تھے۔ اور جو بڑے ہو جاتے ان سے اپنی بہنوں اور بھانجیوں سے رضاعت کے ذریعے خالہ یا نانی کا رشتہ قائم کر لیتیں۔

سیدہ عائشہؓ نے جن شاگردوں کو متبنّٰی کیا اُن میں مسروقؒ بن اجدع تابعی سرِ فہرست ہیں۔

دارالایتام (یتیم خانہ)

ہر معاشرے میں کچھ نہ کچھ ایسے یتیم بچے بھی ضرور ہوتے ہیں جنہیں والدین کے سایہ سے محرومی کے ساتھ ساتھ کسی اور قرابت دار کی سرپرستی بھی میسر نہیں آتی۔ اُن کے لیے مختلف علاقوں میں دارالیتٰمیٰ (یتیم خانے) قائم کیے جاتے ہیں۔ یہ سرکاری، نیم سرکاری اور نجی سطحوں پر یتیموں کی خدمت اور نگہداشت کے لیے فی سبیل اللہ کام کرتے ہیں۔

بہت سے مخیّر حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے دولت کے ساتھ دل کی نرمی اور اللہ کی راہ میں دینے کی توفیق بھی عطا کر رکھی ہے، ایسے اداروں کے لیے بے حساب مالی معاونت کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو وہاں قیام پذیر بچوں کے لیے گاہے بگاہے عمدہ اور بافراغت طعام کا اہتمام کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ مختلف موقعوں مثلاً عیدین وغیرہ پر اچھے کپڑے، مٹھائی اور دیگر ضروریات کی اشیاء دے آتے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ (الدھر: 8)

"اور (نیک بخت ہیں وہ لوگ) جو اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

یہ سب کام اپنی جگہ فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ غور طلب بات یہ بھی ہے کہ یہ بچے والدین کی شفقت اور گھر کے ماحول کو بھی ترسے ہوئے ہوتے ہیں اس سلسلے میں ان کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟

کیا ہی اچھا ہو کہ مختلف گھرانوں سے لوگ جب اپنے بچوں کو سیر و تفریح کی غرض سے کہیں لے جانے لگیں تو وہاں سے ایک دو یتیم بچے بھی ساتھ لے لیں، انہیں بھی اپنے بچوں کے ساتھ کھیل کود کرنے اور کھلانے پلانے کا موقع دیں، ان کے ساتھ ہنسی دل لگی کی باتیں کریں۔

یقین کریں خاندانی زندگی کا مشاہدہ اور خاندان کے ساتھ گزرا ہوا خوشگوار وقت ان کی دنیا میں ایک نیا ہی رنگ بھر دے گا۔ اسی طرح ہماری طرف سے ان یتیم خانوں میں مختلف مواقع پر دینی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ایسی تقریبات کا منعقد کرانا، جس سے ان کے کردار کی تعمیر ہو، انہیں مکمل شخصیت بنانے میں مددگار اور مفید ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف انہیں بہت سی محرومیوں، تلخیوں اور گھٹن سے نکالنا ہمارے لیے بھی باعثِ برکت و ثواب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ بڑی بڑی نعمتیں اس لیے مرحمت فرمائے ہوئے ہیں کہ وہ لوگوں کی خدمت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور خوشی سے یہ کام انجام دیتے ہوئے نہ اس سے اکتائیں، نہ گھبرائیں۔ اگر وہ خدمتِ خلق سے تنگدل ہو کر اکتائیں گے تو پھر اللہ عزوجل بھی ان سے یہ نعمتیں چھین کر دوسروں کے حوالے کر دیں گے۔'' (بیہقی، شعب الایمان، کتاب فصل، جز: 4)

یتیموں، مسکینوں، بیواؤں وغیرہ کے لیے قائم کیے گئے ایسے اداروں کا انتظام چلانے والے کارندوں اور منتظمین کے لیے بھی تنبیہ کے ساتھ ساتھ خوشخبری ہے۔ یہ وہ امانتدار (خزانچی) ہیں جن کے پاس بہت سے لوگ اپنے صدقات و زکوٰۃ پہنچاتے ہیں تاکہ وہ ان تمام یتیموں، مسکینوں اور حاجتمندوں کی فلاح و بہبود، ان کی تعلیم و تربیت اور ضروریات زندگی پر سوجھ بوجھ، ذمہ داری اور سلیقے کے ساتھ خرچ کریں۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے:

خزانچی جو امانتدار مسلمان ہو، پرورش کرنے والے (یعنی مال لگانے والے کی خواہش و رضا اور اس) کے حکم کے مطابق اس کا نفاذ کرے اور پوری خوشدلی کے ساتھ ان کو دے جن کے لیے دلایا گیا ہے، تو دو (2) صدقہ کرنے والوں میں ایک وہ بھی (شمار) ہوگا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

ہدایت کے طلبگاروں کے لیے چھوٹی سی خوبصورت دعا :

اَللّٰھُمَّ اھْدِ نَا وَ سَدِّ دْ نَا. (صحیح مسلم)

''اے اللہ! ہمیں ہدایت دیجیے اور ہمیں سیدھا رکھیے۔''

ربیبہ

وہ یتیم بچی جو ابھی نکاح اور رخصتی کی عمر کو نہیں پہنچی ہے اور اپنی والدہ کے نکاحِ ثانی کی وجہ سے سوتیلے باپ کے گھر پرورش پاتی ہے، تو وہ اس شخص کی ''ربیبہ'' ہے۔ اور وہ اس کے زیرِ پرورش ہونے یا نہ ہونے، دونوں صورتوں میں اس کی بیٹی ہی کی مثل ہے۔ یعنی بیوی کی بیٹی ہر حال میں نکاح کے لیے حرام ہے۔

بیوی کے (پہلے شوہر سے) اولاد کی اولاد، مثلاً پوتی یا نواسی، اسی طرح اس کی بہو یا اس کے پوتے کی بیوی یہ سب نکاح کے لیے حرام ہیں۔ البتہ نکاح ہوا اور ازدواجی تعلق بغیر ہم بستری کے ٹوٹ گیا تو اس صورت میں اس مرد سے اس عورت کی بیٹی یا اس کے خاندان میں سے کسی عورت سے اس کا نکاح جائز ہے ورنہ نہیں۔

ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ نسب سے سات عورتیں حرام ہیں اور مصاہرت سے بھی سات حرام ہیں۔ پھر انہوں نے (اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل) آیت مبارکہ پڑھی:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ...... رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ .. (النساء: 23)

''حرام کر دی گئیں تم پر...... تمہاری بیویوں (کے پہلے شوہروں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، بشرطیکہ تم ان بیویوں سے ہم بستر ہو چکے ہو۔ اگر ہم بستر نہیں ہو چکے ہو تو ان لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے...''

اور ابن عباسؓ کا یہ بھی قول ہے کہ: ''چار عورتیں نکاح میں ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کرنا ایسے ہی حرام ہے جیسے اپنی ماں، بیٹی، بہن سے نکاح کرنا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح: 5105)

اُم المومنین اُم حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، 'یارسول اللہ!

آپ میری بہن ابو سفیانؓ کی بیٹی سے نکاح کر لیجیے۔‘

آپ ﷺ نے فرمایا،”کیا تم اس کو پسند کرو گی؟“

میں نے کہا،’جی ہاں، میں کچھ اکیلی تھوڑی آپ کے پاس ہوں پھر اگر میری بہن کا بھلا ہو تو غیروں سے تو اس کی بھلائی مجھ کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔‘

نبی کریم ﷺ نے فرمایا،”وہ تو میرے لیے حلال نہیں۔“ (کیونکہ ایک بہن پہلے میرے نکاح میں موجود ہے)

میں نے کہا،’یارسول اللہ! قسم اللہ کی یہاں تو یہ ذکر چل رہا تھا کہ آپ درّہ بنت ابی سلمہؓ سے نکاح کرنے والے ہیں۔‘

آپ ﷺ نے پوچھا،” اُمّ سلمہ کی بیٹی ؟“

میں نے کہا، ’جی ہاں‘۔

آپ ﷺ نے فرمایا،”واللہ! اگر وہ میری پرورش میں نہ بھی ہوتی (میری ربیبہ نہ ہوتی) جب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی اور وہ تو رضاعت کے رشتے سے میری بھتیجی بھی ہے۔ مجھ کو اور ابو سلمہؓ (درّہ کے والد) دونوں کو ثوبیہؓ نے دودھ پلایا ہے، لہٰذا ایسا مت کیا کرو۔ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو نکاح کے لیے مجھ پر پیش مت کیا کرو۔“ (صحیح بخاری، کتاب النکاح: 5101)

درّہؓ بنتِ ابی سلمہؓ اور زینبؓ بنتِ ابی سلمہؓ، ام المومنین امّ سلمہؓ کی صاحبزادیاں تھیں جو ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ سے تھیں۔ یہ دونوں بچیاں نبی کریم ﷺ کی ربیبہ بھی تھیں اور اُن کے رضاعی بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) بھی۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب النکاح: 5101)

ام حبیبہؓ غزوہ خیبر کے موقع پر حبش سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں تو نبی اللہ ﷺ نے ان کی بچی حبیبہؓ، جو ان کے ساتھ آئی تھیں، کو اپنے سایہ شفقت میں لے لیا اور اس طرح سے انہوں نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی اور داؤدؓ بن عروہ کو منسوب ہوئیں۔ (سیر الصحابیات)

بیٹیوں کی پرورش سے متعلق چند ارشاداتِ نبویہ ﷺ

”جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں فرشتے بھیجتے ہیں جو آ کر کہتے ہیں: اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو، وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں ”یہ کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو اس بچی کی نگرانی اور پرورش کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شاملِ حال رہے گی۔“

(المعجم الاوسط للطبرانی، کتاب باب الباء، جز:7، حدیث: 3219)

”جس کے کوئی بچہ پیدا ہو (لڑکا یا لڑکی) تو اس کا اچھا سا نام رکھنا چاہیے اور اچھا ادب سکھانا چاہیے۔ بالغ ہونے کے بعد نکاح کر دینا چاہیے، اگر ایسا نہیں کیا اور وہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔“ (شعب الایمان للبیہقی، جز: 18، حدیث: 8413)

”جس شخص کی بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے برداشت کرے اور اپنے مال سے انہیں کھلائے اور پہنائے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔“ (بحوالہ مسند احمد، جز:49، حدیث:22866)

”اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعے کچھ آزمائش میں ڈالیں، پھر بھی وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اس کے لیے وہ آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔“

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب، حدیث: 2629)

”سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خدمت گزار یا عورت کو نہیں مارا۔“ (عورت میں بیٹیاں بھی شامل ہیں) (سنن ابو داؤد)

”رسول اللہ ﷺ فضول گوئی اور بہت سوالات کرنے اور مال و دولت کو ضائع کرنے اور ماؤں کو ستانے اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنے اور دوسروں کا حق نہ دینے اور (بے ضرورت) مانگنے سے منع فرماتے تھے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نکاح کے لیے حرام رشتوں سے متعلق آیات

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ ......

(النساء :22,23,24)

ترجمہ :

اور نہ تم ان عورتوں سے نکاح کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو کچھ پہلے ہو چکا (اس پر مواخذہ نہیں)۔ بے شک یہ تھی کھلی بے حیائی، قابلِ نفرت کام اور بہت ہی بری راہ۔

تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں ، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے۔اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا ازدواجی تعلق ہو چکا ہے۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) ازدواجی تعلق نہ ہوا ہو تو (طلاق کے بعد ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں، اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں،

اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں، البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنٰی ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں ۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔اس کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال (مہر) کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو .. ''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حرام

مستقل حرام رشتے

(مستقل حرام رشتوں کے اسباب تین ہیں)

(1) نسب (خونی تعلق)	(2) مصاہرت (سسرالی تعلق)	(3) رضاعت (دودھ کا رشتہ)
ماں دادی، نانی بھی شامل ہیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی	ساس (مدخولہ کی ماں)	رضاعی ماں
بیٹی پوتی نواسی بھی شامل ہیں	بیوی کی نانی یا دادی	رضاعی بیٹی
بہن سگی ہو یا سوتیلی	سسر کی کوئی دوسری منکوحہ (بیوی کی حقیقی ماں کے علاوہ بھی)	رضاعی بہن
پھوپھی سگی ہو یا سوتیلی	دادا اور نانا کی کوئی اور منکوحہ (بیوی کی حقیقی نانی یا دادی کے علاوہ بھی)	رضاعی پھوپھی
خالہ سگی ہو یا سوتیلی	بیوی کے پہلے شوہر سے بیٹیاں (ربائبہ)	رضاعی خالہ
بھتیجی سگی ہو یا سوتیلی	حقیقی بہو	رضاعی بھتیجی
بھانجی سگی ہو یا سوتیلی	پوتے اور نواسے کی بیویاں	رضاعی بھانجی

(بحوالہ النساء:23 بروایت صحیح بخاری عن ابن عباسؓ و بروایت صحیح مسلم عن عائشہؓ)

رشتے

عارضی حرام رشتے

کسی کی منکوحہ سے نکاح کرنا اِلّا یہ کہ وہ بیوہ ہو جائے یا طلاق دے دی جائے۔ (بحوالہ النساء: 24)

دورانِ عدت نکاح کرنا (بیوہ یا مطلقہ سے) اِلّا یہ کہ عدت گزر جائے۔ (بحوالہ البقرہ: 234)

چار عورتیں نکاح میں موجود ہوں تو پانچویں سے نکاح نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ ان میں سے کسی ایک کو پہلے طلاق دے دے۔ (بحوالہ النساء: 3)

بیوی کی حقیقی یا سوتیلی بہن کو ایک ہی مرد کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے البتہ بیوی کی وفات یا طلاق کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ (بحوالہ سنن ابوداؤد)

بیوی کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ یا اس کی بھتیجی یا بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے البتہ بعد اس کی وفات یا طلاق کے۔ (بحوالہ صحیح بخاری)

تین طلاقیں جدا موقعوں پر دینے کے بعد اسی مطلقہ سے دوبارہ نکاح حرام ہے اِلّا یہ کہ مطلقہ عدت کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کر چکے۔ اور وہ بھی بعد ازدواجی تعلق کے اسے خود سے طلاق دے چکا ہو، تب یہ دوبارہ اس پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے

پاک دامن مرد یا عورت کا زانیہ مرد یا عورت سے نکاح حرام ہے اِلّا یہ کہ سچی توبہ کرلیں، نیز زانیہ عورت کے لیے تائب ہونے کے بعد نکاح کرنے سے پہلے استبراءِ رحم کے لیے عدت جتنی مدت گزارنا لازم ہے

مومن مرد یا عورت کا مشرک مرد یا عورت سے نکاح حرام ہے اِلّا یہ کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔ (بحوالہ البقرہ: 221)

اسلام میں قرآن کے ساتھ نکاح کروانے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

نوٹ: منہ بولے بیٹے سے مستقل یا عارضی حرمتِ نکاح ثابت نہیں ہے۔ (بحوالہ الاحزاب:37)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION
© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حصّہ دوم

بیوہ کا نکاحِ ثانی

معاشرتی فرائض ومعاملات کے حوالے سے بیوہ اور خصوصاً جوان بیوہ کا نکاحِ ثانی جتنا ضروری اور اہم ہونا چاہیے تھا، اتنا ہی اسے بہت سی اقوام میں پسِ پشت ڈال دیا جاتا رہا ہے۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے کتب درس وتدریس میں بھی بہت کم زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسلام میں جس طرح پہلا نکاح ایک قابلِ احترام عہد و پیمان ہے اسی طرح بیوہ ہو جانے پر نکاحِ ثانی کو بھی بہت عزت وتکریم کا مقام دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جب کسی صحابیؓ کی وفات یا شہادت کی خبر سنتے تو ان کے بچوں اور بیوہ کے پاس خود تشریف لے جاتے اور تعزیت (تسلی وتشفی) اور دعا فرماتے، پھر ان بیوہ صحابیہؓ کا عدت گزرنے کے بعد کسی نہ کسی سے نکاح کرا دیا جاتا۔ اسلام کے نفاذ اور پھیلاؤ کا ابتدائی زمانہ ہونے کی وجہ سے اکثر جنگی مہمات، معرکے اور غزوات پیش آتے رہتے تھے جن کی وجہ سے بہت سے جاں نثار کام آ جاتے۔ ایسے میں بسا اوقات ایک خاتون کو تین چار بار بیوگی سے دوچار ہونا

اللہ کے ہاں بیوہ کا مقام

نبی کریم ﷺ کی خانگی زندگی میں عسرت اور مفلسی کے سبب ایک موقع پر امہات المومنینؓ کی بشری کمزوریاں ان کی پاکیزہ صفات پر کچھ غالب آنے لگیں اور نبی ﷺ کو اس سے بیزاری اور تنگی محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جس شان سے تسلی دی اور اس کے ساتھ ان کو پہلی بیویوں کی جگہ (اگر وہ چاہیں تو) دوسری بیویاں عطا کرنے کا دلاسا دیا وہ ان آیات میں بیان ہوتا ہے:

(ربِ کریم نے یہاں بیوہ اور کنواری دونوں معہ تمام صفات کے بیان فرمائیں)

''بعید نہیں کہ اگر نبی تم سب بیویوں کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایسی بیویاں بدلے میں عطا کریں جو تم سے بہتر ہوں؛ سچی مسلمان، باایمان، اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ دار خواہ شوہر دیدہ (بیوہ یا مطلقہ) ہوں یا کنواریاں۔'' (التحریم : 5)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پڑتا۔اسی طرح ایک صحابیؓ کی زوجیت میں ایک سے چار تک کنواری اور بیوہ دونوں طرح کی ازواج ہوتیں۔تذکارِ صحابیاتؓ، اسوہ صحابیاتؓ اور اسلامی تاریخ کی دیگر کتابوں میں بھی اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

ہمارے ہادی و رہنما، نبی محترم محمد ﷺ نے خود اپنی حیات طیبہ میں اس کی مثالیں قائم کیں ہیں۔انہوں نے نہ صرف اپنی بیوہ بیٹیوںؓ کے نکاحِ ثانی کرائے بلکہ خود جتنی بھی خواتین سے نکاح فرمائے سوائے سیدہ عائشہؓ کے تمام بیوہ یا مطلقہ تھیں، پھر اکثر صحابہ کرامؓ اور بعد کے لوگوں نے بھی اسی سنت کی پیروی کی۔آج بھی عرب معاشرے میں کچھ قبائل اس پر عمل پیرا ہیں۔

ناپسندیدہ کیوں؟

ہمارے یہاں برصغیر میں نکاح ثانی، خواہ بیوہ کا ہو یا مطلقہ کا کیوں ناپسندیدہ رہا؟ (اور ابھی تک بہت جگہ ایسا ہی ہے) حالانکہ یہ ایک مذہبی، معاشرتی اور خاندانی فریضہ ہے، جس کے ادا نہ کرنے کے نتیجے میں بیواؤں اور یتیموں کو بہت کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں جو غیر شرعی اور خود ساختہ ہیں۔ان کو نوعیت کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

(1) معاشرتی اسباب (2) ذاتی اسباب

(1) معاشرتی اسباب

- **شرعی احکامات سے لاعلمی**

نکاح کی فضیلت سے ہر کوئی واقف ہے۔مرد کا بیوی کی وفات کے بعد یا بسا اوقات اس کی موجودگی میں بھی نکاحِ ثانی کے لیے آمادہ ہو جانا کوئی غیر معروف امر نہیں۔البتہ بیوہ یا مطلقہ کا نکاحِ ثانی کے لیے تیار ہونا یا ولی، وارثوں اور دیگر قرابت داروں کی طرف سے اسے ایسا کرنے کے لیے راضی کرنا ہمارے ہاں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔اس کا ایک بڑا سبب قرآن کے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

احکامات سے لاعلمی اور سنت رسول ﷺ سے دوری ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ .... (النور: 32)

''اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو......''

ایامیٰ میں بیوہ عورتیں اور (رنڈوے) مرد دونوں شامل ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بیوہ عورت کا نکاحِ ثانی بہت پسندیدہ ہے' اسی لیے اس پر خاص توجہ فرمائی گئی اور اسے سنت کا درجہ حاصل ہوا۔آپ ﷺ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا تھا:

''علی! جب بیوہ کا جوڑ مل جائے تو فوراً اس کا نکاح کر دو۔'' (بحوالہ سنن ترمذی)

اسلامی تعلیمات اور شرعی احکامات انسانی فطرت اور مزاج کے عین مطابق ہیں۔مرد ہو یا عورت ہر انسان سلامتی اور سکون والی زندگی ہی پسند کرتا ہے اور ایسی زندگی اسے پرہیزگاری اور پاکدامنی اختیار کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''پرہیزگاری اور عفت والی زندگی گزارنے کے ارادے سے نکاح کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔'' (بحوالہ سنن ترمذی)

ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا،''جب کوئی شخص نکاح کر لیتا ہے تو اپنا آدھا دین مکمل کر لیتا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ باقی آدھے دین کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا رہے''۔ (بیہقی)

ابوسلمہؓ بڑے عظیم المرتبت صحابی تھے،ان کی زندگی میں ایک بار اُم سلمہؓ نے محبت بھرے انداز میں کہا، ''آؤ ہم یہ عہد کر لیں کہ ہم میں سے جو پہلے فوت ہو، دوسرا اس کے بعد مجرد (بے نکاح) زندگی گزارے۔''

ابوسلمہؓ نے کہا، ''کیا تم میرا کہا مانو گی؟''

اُم سلمہؓ نے جواب میں کہا، ''کیوں نہیں! میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہو سکتی ہے۔''

ابوسلمہؓ نے کہا، ''تو سنو! اگر میں پہلے مرجاؤں تو تم ضرور نکاح کر لینا۔'' پھر ابوسلمہؓ نے یہ دعا کی:

''اے رب العزت! اگر میں اُم سلمہ کی زندگی میں مرجاؤں تو اسے مجھ سے بہتر جانشین دینا۔''

(تذکارِ صحابیات)

• دوسری اقوام کے اثرات

ہمارے یہاں برصغیر میں ہندو اِزم کے اثرات کی وجہ سے بھی بیوہ کا نکاح ناپسندیدہ رہا ہے۔ان کے ہاں بیوہ کو منحوس اور بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا اور کمتر انسانی درجہ حاصل ہوتا، جس کی وجہ سے تمام زندگی اسے سخت صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ پڑوسی ملک میں کچھ عرصہ پہلے تک شوہر کی 'چتا' کے ساتھ بیوہ کے جل کر جان دے دینے کا مقصد بھی اسی اذیت ناک زندگی سے نجات حاصل کرنا ہوا کرتا تھا، جسے بظاہر ایک مذہبی فریضہ یا شوہر سے وفاداری نبھانے کی علامت کے طور پر لیا جاتا تھا۔اگرچہ وہ ایسا کرنے کے بعد (یعنی جان دے کر) قابلِ عزت ہوجاتی بلکہ دیوی کا رتبہ حاصل کر لیتی تھی۔

بہرحال ایک ہی معاشرے میں ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں پر بھی غیروں کے بہت سے عقائد اثرانداز ہوتے رہے، انھی میں بیوہ کے نکاحِ ثانی کا معاملہ بھی تھا۔

• خاندانی روایات

یہ بھی نکاحِ ثانی سے اجتناب برتنے کا سبب ہیں۔کسی قبیلے یا خاندان کی روایت میں یہ شامل ہو کہ لڑکی بیاہ کر لے آئیں تو اب اسے تاحیات (خواہ بیوہ بھی ہوجائے) ان کے قبیلے ہی میں رہنا ہوگا یا والدین کی طرف سے بچی کو یہ سوچ اور نصیحت دے کر سسرال رخصت کرنا کہ: ''اب اس دہلیز سے اس کا جنازہ ہی نکلے گا''، اس صورت میں غیر اسلامی ہوسکتا ہے کہ بیوگی کے بعد باوجود دوسرے نکاح کی استطاعت اور حاجت کے پھر بھی وہ اسی خاندان کے ساتھ رہنے کی پابند ہو۔

اگرچہ ابتدا میں اس کے تمام خاندان والے ہمدردی میں اس کی اولاد کی کفالت کے ذمہ دار اور اس کے حقوق کے امین و پاسدار ہونے کا دعوٰی بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہر کوئی اپنی اپنی زندگی کے دائرہ کار میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ اکثر موقعوں پر کسی کو اس چھوٹے سے کنبے کا دھیان بھی نہیں رہتا۔

اسی طرح بے اولاد یا جواں سال بیوہ کو مشترکہ خاندانی نظام میں اپنی ذاتی اور فطری خواہشات اور ضروریات کو (جنہیں ایک عورت صرف شوہر کی موجودگی میں ہی پورا کرسکتی ہے) کچل کر سسرال والوں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ یہاں وہ بیوگی کی حالت میں خاندان کے تمام افراد کی مطیع فرمان بھی ہوتی ہے، ساری زندگی ان کی خدمت میں بھی گزارتی ہے پھر بھی وہ ویسا مقام نہیں بنا پاتی، جیسا کہ اس کے شوہر کی زندگی میں تھا۔ اسی طرح اگر اسے میکہ میں رہنا پڑے تو وہاں بھی کچھ ہی عرصے بعد پہلے جیسی غمخواری اور حوصلہ افزائی میں کمی آنے لگتی ہے۔

بسا اوقات دونوں گھرانوں میں اسے زندگی کی بھرپور سرگرمیوں سے قطع نظر صرف زکوٰۃ کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ کمانے نکلتی ہے تو اس کے بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔حالانکہ بیوہ اور اس کے یتیم بچوں پر خرچ کرنا اور ان کی دیکھ بھال اور دلجوئی کرنا بھی بہترین صدقات میں سے ہے۔

• مرحوم شوہر کے والدین کی خدمت

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ شوہر نے بستر مرگ پر بیوی کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے والدین کا بہت خیال رکھنا اور ان کی اسی طرح خدمت کرتی رہنا، اور بیوہ نے تمام زندگی اسی میں گزار دی۔

ہمارا دین ہمیں اپنے والدین اور سسرالی بزرگوں کی عزت و احترام، خیرخواہی، خدمت، اطاعت سب سکھاتا ہے۔شوہر کی زندگی میں چونکہ بیوی خاندانی نظام کا فعال حصہ ہے لہٰذا اس پر ان سب بزرگوں کو راضی رکھنے کی کوشش میں لگے رہنا واجب ہے، لیکن اگر شوہر چل بسے اور بیوہ نکاحِ ثانی کی محتاج و مستحق ہو تو محض کسی بزرگ کی خدمت کے لیے اس کو اس حق سے محروم رکھنا مناسب نہیں ہے، جبکہ بعض گھرانوں میں ایسا ہی نظر آتا ہے کہ صرف اسی کو اس ذمہ داری کا اہل سمجھ کر روک لیا جاتا ہے۔البتہ بالفرض ان کی خدمت کے لیے کوئی دوسرا نہیں تو پھر یہ احسان اور تقوٰی کا تقاضا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہے کہ وہ ان کی خاطر رکی رہے، اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ یا پھر یہ کہ نکاحِ ثانی ناگزیر ہو تو ان کے لیے کوئی خدمت گار مقرر کرے اور دوسرے شوہر کی رضامندی سے پیشگی یہ طے کیا جائے کہ وہ نکاح کے بعد بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے کچھ نہ کچھ وقت نکالے گی۔ یہ سب باہمی افہام وتفہیم کی بنیاد پر ہوسکتا ہے، اور مومن نیک کاموں پر ایک دوسرے کی تائید وامداد کیا کرتے ہیں۔

دراصل اسلام ایک ایسا پاکیزہ اور مربوط معاشرتی نظام تشکیل دیتا ہے جس میں ہر کوئی اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر ایک دوسرے کے معاشی، اخلاقی اور دینی حقوق کا پابند اور محافظ ہوتا ہے۔ یہی اس دین کی کامیابی کا راز ہے۔

- **جائیداد، وراثت**

ہمارے ہاں جاگیردارانہ نظام میں یا بعض مالدار قبائل میں عورت بیوہ ہو جائے تو اسے قبیلے کی ملکیت سمجھ کر نکاحِ ثانی سے روک دیا جاتا ہے یا پھر عدت کے بعد اس کا نکاح اس کے دیور جیٹھ یا خاندان کے کسی اور لڑکے سے بغیر بیوہ کی رضامندی لیے کر دیا جاتا ہے خواہ وہ اس کے جوڑ کا ہو' نہ ہو۔ درپردہ اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ آباؤاجداد کی زمینیں، جائیدادیں بیوہ کے حصۂ وراثت کی صورت میں باہر نہ نکل جائیں۔

اسلام باعثِ شرف واحترام

ابنِ عباس سے روایت ہے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ...(النسآء:19)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ عورتوں کو ترکے کا مال سمجھ کر زبردستی ان پر قبضہ کرلو۔''

تو ہوا یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ (برا) دستور ہوا کرتا تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کے وارث اس کی بیوہ کے زیادہ حقدار بنتے۔ اب انہی کا اختیار ہوتا۔ وہ چاہتے تو خود اس سے نکاح کرلیتے (اگرچہ وہ راضی نہ بھی ہوتی)، چاہتے تو کسی اور سے اپنی مرضی پر اس کا نکاح کرا دیتے اور چاہتے تو یونہی لٹکا کر رکھتے، کسی سے نکاح نہ کرنے دیتے۔ یہ میت کے وارث اس عورت پر عورت کے وارثوں سے زیادہ حق رکھتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیت نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، حدیث:6948)

اور اگر وہ کسی طرح اپنی مرضی کی جگہ نکاح کے لیے اصرار کرے اور ان کے فیصلے کا انکار کرے تو اسے اپنے حصہ وراثت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جو انتہائی غیر شرعی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ... (النسآء: 29)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔''

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

''مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لیے حرام چیزیں ان کا خون، مال، عزت و آبرو ہیں۔''

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، حدیث:6541)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ زمانہ قریب ہے جب تمہاری حق تلفی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا سمجھو گے۔''

لوگوں نے عرض کیا، 'یا رسول اللہ! آپ ایسے وقت میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟' فرمایا:

''جو حق دوسروں کا تم پر ہے وہ ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔'' (صحیح بخاری، کتاب المناقب)

یہ تو تھے معاشرتی اسباب جن کی بنا پر بیوہ خاتون کے نکاحِ ثانی کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اب کچھ ذاتی اسباب بھی ہیں۔

(2) ذاتی اسباب

- **بیوہ کی عمر**

پہلا ذاتی سبب بیوہ کی وہ عمر ہے جس میں عموماً بحیثیت عورت نہ تو نکاح کی رغبت یا خواہش ہوتی ہے، نہ ہی کوئی معاشی یا معاشرتی تحفظ کی ضرورت باقی رہتی ہے کیونکہ اس عمر تک عموماً اولاد بالغ، برسرروزگار اور خود مختار ہو کر ماں کو بھی بصد احترام سنبھال لیتی ہے۔ اسی طرح سن یاس کے زمانہ کے قریب پہنچنے والی خاتون معاشی استحکام اور معاشرتی تحفظ کے لیے نکاح کی حاجت مند

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بھی ہوتو وہ اس زمانہ کی طبعی وجسمانی تبدیلیوں کی وجہ سے نکاحِ ثانی سے اجتناب کرتی ہے۔

البتہ کچھ خصوصی حالات ایسے ہوں مثلاً، اوسط عمر کی بیوہ خاتون ہے جو بے اولاد ہے اور کوئی ایسا رشتہ دار عزیز بھی نہیں جو اُسے تحفظ دے سکے، تو اس صورت میں اسے اپنی عمر کے کسی ایسے شخص سے جو تنہا ہونے کی وجہ سے خود بھی کسی اچھی خاتون سے نکاح کا متمنّی ہو، نکاح کر لینا چاہیے۔

• بچوں کی پرورش کے لیے وقف

اکثر اوقات باوجود وسائل اور ساز گار حالات کے بیوہ خواتین اپنے بچوں کی پرورش و تربیت اور ہر طرح کی دیکھ بھال کی خاطر نکاحِ ثانی سے خود انکار کر دیتی ہیں۔

نکاحِ ثانی نہ کرانے کا یہ سبب انسانی جذبات کی اعلیٰ ترین معراج یعنی 'مامتا' سے منسلک ہے۔

یہ وہ بیوہ مائیں ہیں جن کے زیرِ پرورش دو، چار یا اس سے بھی زیادہ بچے بچیاں ہیں اور ان کی عمریں شیر خوارگی سے لے کر قبل از بلوغت تک ہو سکتی ہیں۔ وہ اس اندیشے سے کہ ممکن ہے سوتیلا باپ انہیں قبول کرے یا نہ کرے (پھر ان کی کفالت کون کرے گا) دوسرے نکاح کے لیے رضا مند نہیں ہوتیں۔ ان بچوں کو کسی اور کی سرپرستی میں دینے کے خیال سے بھی ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا کہ بچوں کی پرورش اور تربیت ماں کے علاوہ کوئی دوسرا اتنی ذمہ داری سے نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ اپنے اسی فیصلے پر قائم رہتی ہیں۔

بچوں کی پرورش کی خاطر نکاح کی پیشکش سے معذرت

رسول اللہ ﷺ نے اُمِ ہانیؓ (بنتِ ابو طالب) کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ'' یا رسول اللہ! آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہوتا ہے اور میرے بچے بھی ہیں، اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ میں شوہر کا حق ادا کروں گی تو بچوں کی طرف سے غافل ہونا پڑے گا اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر کا حق ادا نہ کر سکوں گی''۔ (طبقات ابنِ سعد، تذکرہ اُمِ ہانیؓ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

• تعلیم وتلقین کے لیے وقف

شوہر کی وفات کے بعد عقدِ ثانی نہ کرنے والوں میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو حصولِ معاش کی خاطر مختلف شعبوں سے منسلک ہو جاتی ہیں اور تمام زندگی اسی سے وابستہ رہتی ہیں مثلاً تعلیم، تدریس، طب، تجارت، دفتری خدمات وغیرہ۔

ان سب میں اہمیت کے اعتبار سے دین کی تعلیم وتدریس کا شعبہ اوّل درجہ پر ہے جو مسلمان قوم کی زندگی کا محور ومرکز ہے۔ ایک عورت بحیثیت استاد اس سے بہتر خدمات کہیں اور انجام نہیں دے سکتی۔ یہ وہ منصب ہے جو نبیوں کی وراثت بنا۔

اس شعبے سے وابستہ بیوہ خواتین خواہ عیال دار ہوں یا تنہا زندگی بسر کر رہی ہوں، اپنے دیگر فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ازواجِ مطہراتؓ اور صحابیاتؓ رسولؐ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کر لیں نیز دنیاوی علوم کی درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ وقت دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے بھی وقف کر لیں تو ان کا یہ مشن ان کے لیے دُہرے اجر کا باعث بن سکتا ہے' ان شاءاللہ۔

ازواجِ مطہراتؓ کو نبی کریم ﷺ کی صحبتِ مبارک میں تعلیم وتلقین کے جن جواہرات سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے ایک عظیم امانت کے طور پر اس کو آگے پہنچایا۔ اُمت کے بیٹے بیٹیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اُمت کی مائیں قرار دیا اور ان کے لیے نکاحِ ثانی منع ہو گیا۔ قرآن میں اِرشاد ہوا:

''...... اور نبیؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں ......'' (الاحزاب:6)

☆ **سیّدہ عائشہؓ** جنہوں نے 48 برس بیوگی میں بسر کیے، قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الانساب کی عالمہ تھیں۔ ان سے 2210 احادیث مروی ہیں۔ دینی علوم کے علاوہ طب، شعر وادب اور خطابت میں بھی خاص مہارت حاصل تھی۔ وفات تک تقریباً ہر سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لے جاتیں تو وہاں حلقہ درس قائم کیا کرتیں۔ دور دور سے اہلِ علم ان کی خدمت

> ''...تم میں سے کیوں نہ ایک جماعت ایسی ہوئی کہ جو دین کی سمجھ حاصل کرنے نکلتی اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹتی تو انہیں خبردار کرتی...'' (التوبہ : 122)
> (نکلنا اور لوٹنا بغیر سفر کے نہیں ہوتا)

میں حاضر ہو کر دینی معاملات و مسائل پوچھتے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی حیاتِ طیّبہ میں فرمایا کرتے تھے، ''اپنا آدھا دین اس حمیراً سے حاصل کرلو''۔ (حمیراً عائشہؓ کا لقب تھا)

☆ **سیّدہ اُم سلمہؓ** سے 378 احادیث مروی ہیں۔ قرآن کی قرأت بہت عمدہ طریقے سے کرتی تھیں۔ علم و ذہانت میں ان کا درجہ عائشہؓ کے بعد آتا ہے۔ بیوگی کا تمام زمانہ دین کی خدمت میں صرف کیا۔ ان کے فتاویٰ بالعموم متفق علیہ ہیں۔

☆ **سیّدہ حفصہؓ** جن کی تعلیم کے لیے نبی کریمؐ نے شفاؓ بنت عبداللہ کو مقرر فرمایا، علم و فضل میں بڑے بلند مرتبے پر فائز ہوئیں، ان سے 60 حدیثیں مروی ہیں اور اپنے ہاتھ سے تعلیمات رسول ﷺ لکھا کرتی تھیں۔

☆ **سیّدہ زینبؓ بنت جحش** سے 11 احادیث منقول ہیں، وہ اپنے فنِ دباغت سے ہی روزی کماتیں اور اللہ کی راہ میں صدقہ بھی دیتیں۔

اسی طرح دیگر ازواج مطہراتؓ سیدہ جویریہؓ، سیدہ اُم حبیبہؓ، سیدہ صفیہؓ نے بھی بیوگی کے بعد اپنی اپنی جگہ دین کی خدمت کی اور نہایت مشفقانہ انداز سے اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے فہم قرآن وحدیث کے عظیم سرمایہ کو علم کے طلب گاروں تک پہنچایا۔ ان سب سے کچھ نہ کچھ احادیث بھی مروی ہیں۔
(سیدہ خدیجہؓ، سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ اور سیدہ ریحانہؓ نے نبی ﷺ کی زندگی میں وفات پائی)

اُمہات المومنین کے علاوہ بے شمار صحابیاتِ رسول بھی اللہ کے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں براہِ راست اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہوئیں اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب انہیں بیوگی سے دوچار ہونا پڑا تو انہوں نے اس علمی میدان میں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ مثلاً:

O **سیّدہ قیلہؓ** بیوہ ہوئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا، اب وہ تمام دنیاوی ذمہ داریوں

سے آزاد تھیں۔ لہٰذا ایک صحابیؓ کے ساتھ نبی اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور ان کی تعلیمات و تلقینات سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پھر عمر بھر اسی کام سے منسلک رہیں۔

O اسامہؓ بن زیدؓ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ **سیدہ فاطمہؓ بنت قیس** نے تا زندگی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد مجلس شوریٰ کے اجتماع فاطمہؓ بنت قیس کے مکان ہی میں ہوتے۔ وہ نہایت زیرک، معاملہ فہم اور صائب الرائے خاتون تھیں اس لیے اس مجلس کے اراکین ان سے بھی مشورہ لینا مناسب سمجھتے تھے۔ ان سے 34 احادیث مروی ہیں۔

O سیدنا عثمانؓ بن مظعون کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ **سیدہ خولہؓ بنت حکیم** نے تمام زندگی بیوگی میں ہی گزاری، مگر اس کے پیچھے بھی ایک عظیم مقصد تھا۔ کیونکہ ان کا اکثر حرم نبویؐ میں آنا جانا ہوتا تھا لہٰذا وہاں علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر جتنے موتی نکال سکتی تھیں، نکالے۔
امہات المومنینؓ اور دیگر صحابیاتؓ کی طرح قائم الّیل اور صائم النّہار تھیں۔ پاکیزہ شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ ان سے بھی 15 احادیث مروی ہیں۔

O **سیدہ شفاؓ بنت عبداللہ** بھی ایک بیوہ صحابیہ تھیں۔ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، بیماروں کا علاج کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے انہیں چیونٹی کے کاٹے کا دم سکھانے کی اجازت بھی دی تھی۔ نہایت عاقلہ، فاضلہ تھیں۔ سیدنا عمرؓ جب مسندِ خلافت پر فائز ہوئے تو وقتاً فوقتاً بعض اہم مسائل پر ان سے مشورہ لیا کرتے اور ان کی رائے کی بہت قدر کرتے۔ سچ بات پر جرأت اور بے باکی کی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے ان کو بازار کے اہتمام کا شعبہ بھی سپرد کر رکھا تھا۔ شفاؓ نے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا عمرؓ فاروق سے چند احادیث (غالباً بارہ) روایت کیں۔

بہرحال یہ تو وہ اعلیٰ مقاصد ہیں جو بیوگی میں نکاحِ ثانی سے روکے رکھنے کا سبب بن سکتے ہیں البتہ نکاح کی حاجت (خصوصاً نوجوان بیوہ کے ضمن میں) اور اس کے لیے موافق حالات کے باوجود بھی بیشتر ذاتی اور دنیاوی وجوہات سے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی برتی جاتی ہے، مثلاً:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ مغربی تہذیب اور آزاد معاشرت کے اثرات کی وجہ سے نکاح کے بندھن میں دوبارہ بندھنے کو شخصی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھے۔

☆ مالی طور پر خود کفالت اور خود اعانت کے بل پر اس کی ضرورت کو اہم نہ جانے۔

☆ پہلا شوہر اچھا انسان تھا تو بسا اوقات بیوہ ان وسوسوں کا بھی شکار نظر آتی ہے کہ دوسرا شوہر پہلے جیسا اچھا ہوگا یا نہیں۔

☆ بیوہ بہت شرمیلی اور حیادار ہے تو اسے یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ خاندان والے کیا کہیں گے، وہ نئے نکاح کی وجہ سے کہیں بے باک اور آزاد خیال نہ سمجھی جائے۔

☆ اتفاقاً پہلی شادی شدہ زندگی میں کچھ تلخیوں کا سامنا کر چکنے کے بعد دوبارہ خاندانی نظام کا حصہ بننے کی بجائے مجرّد (بے نکاح) زندگی گزارنے کو ترجیح دے۔

مندرجہ بالا تمام وجوہات سے ''تم میں جو بے نکاح ہوں ان کے نکاح کر دو'' والے حکم سے روگردانی ہوتی نظر آتی ہے۔ البتہ اس حکم کی اطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل اور رحمت کا وعدہ فرما کر انسان کے تمام اندیشے اور وسوسے رفع کر دیتے ہیں۔ نیز گھر میں والدہ یا کسی بہن کا بھی فرض ہے کہ وہ مصلحتیں سمجھا کر، وسوسے اور خوف رفع کر کے بیوہ کو عقدِ ثانی کے لیے آمادہ کرے، البتہ سمجھانے کا طریقہ احسن اور خیر خواہی پر مبنی ہونا چاہیے۔

....

.... وَ مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا o (الطلاق:2)

.... وَ مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا o (الطلاق:4)

.... وَ مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا o (الطلاق:5)

''جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا فرما دیتے ہیں۔''

''جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے معاملات میں اسی کے لیے سہولتیں پیدا فرما دیتے ہیں۔''

''جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دُور کر دیتے اور اسے بڑا اجر دیتے ہیں۔''

فرض کا درجہ

بعض صورتوں میں نکاحِ ثانی فرض کے درجے پر آ جاتا ہے۔ مثلاً:

- بیوہ خاتون جوان ہے، شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، چھوٹی عمر میں بیوگی کی وجہ سے جذبات زیادہ مجروح ہوئے ہیں۔
- طبیعت میں تقاضا ہے خواہ عمر کچھ بھی ہے اور نکاح کے بغیر عزت، آبرو، وقار کی کمی اور ان سب کے نتیجے میں دین کی بربادی کا خطرہ ہے۔
- صدمے کی برداشت کم ہے اور اسے بھلانے کے لیے غم خوار ساتھی کی ضرورت ہے۔
- نان نفقہ کی تنگی ہے۔
- معاشرتی تحفظ میسّر نہیں ہے۔
- اچھا جوڑ مِل گیا ہے۔

بعض صاحبِ علم و دانش کے نزدیک شوہر دیدہ خاتون (بیوہ، مطلقہ) کا نکاحِ ثانی کرا دینا کنواری کے نکاح سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اللہ کی رضا یا لوگوں کی ناراضگی کا خیال؟

سیدہ عائشہؓ سے روایت نقل ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جسے رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش میں لوگوں کی ناراضگی مول لینی پڑی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے لوگوں کی تکلیف کے مقابلے میں کافی ہو جاتے ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں ہی کے سپرد کر دیتے ہیں۔'' (جامع ترمذی، کتاب الزھد، حدیث: 2414)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیواؤں کی خدمت کرنے والوں کے لیے بشارت

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا درجہ میں ایسا ہے، جیسے کوئی مجاہد فی سبیل اللہ ہے، یا اس شخص کے برابر جو (ہر روز) دن میں روزہ رکھتا ہے اور (ہر) رات کو عبادت میں کھڑا رہتا ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب)

بیواؤں کے لیے سیدنا عمرؓ کی فکر

زیدؓ بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں عمرؓ بن خطاب کے ساتھ بازار گیا، وہاں ان کو ایک جوان عورت ملی، وہ کہنے لگی:

'یا امیر المومنین! میرے شوہر فوت ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے۔ قسم اللہ کی ان کو بکری کے پائے تک بھی نہیں ملتے کہ جن کو پکا کر کھائیں، نہ ان کے پاس کھیتی ہے، نہ دودھ کے جانور ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں قحط سالی میں وہ (بھوک کے مارے) مر ہی نہ جائیں۔ اور میں خُفافؓ بن ایما غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرے والد حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔

سیدنا عمرؓ یہ سن کر کھڑے ہو گئے، آگے نہیں بڑھے۔ پھر کہنے لگے، ''مرحبا! یہ تو بڑی قریب کی نسبت ہوئی۔'' پھر ایک مضبوط زور آور اونٹ کی طرف ہو لیے، جو گھر میں بندھا ہوا تھا۔ اس پر کھانے کو اناج سے بھری ہوئی دو بوریاں لا دیں اور بیچ میں روپیہ اور کپڑے رکھے۔ پھر اونٹ کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں دے دی اور کہا، ''اس کو لے جاؤ، یہ ختم نہ ہو گا کہ اس سے پہلے ہی تمہیں اللہ اس سے بھی بہتر پہنچا دیں گے''۔ ایک شخص کہنے لگا، 'یا امیر المومنین! آپ نے اس عورت کو بہت دے دیا' عمرؓ نے کہا، ''قسم اللہ کی میں نے اس عورت کے باپ اور بھائی کو دیکھا تھا کہ دونوں (دشمنوں کے) ایک قلعہ کو گھیرے رہے، یہاں تک کہ اس کو فتح کر لیا۔ اور ہم صبح کو (دشمن کے) مال میں سے حصہ وصول کر رہے تھے۔'' (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

عمرؓ بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین سیدنا عمرؓ کو ان کے قاتلانہ حملہ سے چند ہی دن پہلے مدینہ میں دیکھا کہ وہ حذیفہؓ بن یمان اور عثمانؓ بن حنیف کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

''تم نے عراق میں کیا کیا؟ کہیں زمین پر ایسی محصول تو نہیں لگائی جو اس کی طاقت کے مطابق نہیں تھی (زیادہ جزیہ تو نہیں لیا؟)۔''

دونوں نے کہا، ''نہیں! ہم نے اتنا ہی مقرر کیا جتنی زمین کی طاقت تھی، اس سے زیادہ نہیں۔''

سیّدنا عمر نے دو (2) بار ایسا ہی پوچھا، پھر فرمایا:

''اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو میں عراق والوں کی بیوہ عورتوں کے لیے ایسا بندوبست کر دوں گا کہ انہیں (میری زندگی کے بعد بھی) کسی قسم کی محتاجی نہ رہے گی۔''

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، حدیث: 3700)

(عراق میں بڑی لوٹ کھسوٹ اور ڈاکہ زنی ہوا کرتی تھی، بیوہ عورتوں کو اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتی کیونکہ ان کے سر پر مرد کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ سیّدنا عمرؓ ان کے لیے ایسا بندوبست کر دینا چاہتے تھے کہ اگر کسی بیوہ کا نکاحِ ثانی نہ ہو سکے تو وہ مرد کے بغیر بھی امن چین سے خوشحال زندگی گذار سکے۔)

اس گفتگو کے چوتھے روز سیّدنا عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ o

....

ارشادِ ربّ کریم ہے:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَھَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ o

(الحج :41)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اچھائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور اللہ ہی کے لیے سب کام انجام پذیر ہوتے ہیں۔''

بیوہ کے لیے پیغامِ نکاح

اللہ تعالیٰ کا اِرشادِ پاک ہے :

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:235)

''زمانۂ عدت میں خواہ تم ان بیوہ عورتوں کے ساتھ پیغامِ نکاح کا ارادہ اشارے کنایے میں ظاہر کرو (صرف کان میں بات ڈال دو) خواہ دل میں چھپائے رکھو، دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ ان کا خیال تو تمہارے دل میں آئے گا ہی مگر دیکھو! خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہی ہو تو معروف طریقے سے کرو۔ اور عقدِ نکاح باندھنے کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال تک جانتے ہیں، لہٰذا اس سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ بردبار ہیں، درگذر فرمانے والے ہیں۔''

ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا (اشارہ کنایہ یہ ہے) مرد عورت سے (جو ابھی عدت میں ہو)، یہ کہے: ''میرا بھی ارادہ نکاح کرنے کا ہے یا میری آرزو یہ ہے کوئی اچھی عورت مل جائے تو میں نکاح کروا لوں۔''

قاسمؒ بن محمد نے کہا یہ تعریض (اشارہ کنایہ) یوں ہے: ''تم تو اچھی عورت ہو'' یا یہ کہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

''میں تم کو پسند کرتا ہوں'' یا یوں کہے: ''اللہ تمہارے لیے (عنقریب) اچھا کرنے والا ہے'' یا کوئی کلمہ اسی طرح کا۔

عطاءؒ بن ابی رباح نے کہا، صاف صاف پیغام نہ دے اور اشارے کنایہ میں پیغام یوں دے: ''مجھ کو بھی (نکاح کی) حاجت ہے اور تم خوش ہو جاؤ! اللہ کے فضل سے تمہیں چاہنے والے بہت ہیں'' اور عورت اس کے جواب میں یوں کہے: ''اچھا جو تم کہہ رہے ہو، میں وہ سن رہی ہوں'' اور (ولی سے) مشورہ تک صاف نکاح کا وعدہ نہ کرے۔ اسی طرح عورت کا ولی بھی بغیر عورت کو خبر کیے کسی سے اس کے نکاح کی بابت بات پکی نہ کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 5124)

o بیوہ کا ولی یا سرپرست اگر محرم نہ ہو اور خود اپنے لئے پیغام دینا چاہے، تو بھی جائز ہے۔

'' مغیرہؓ بن شعبہ نے ایک عورت کو اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا اور سب سے قریب کے رشتہ دار اس عورت کے وہی تھے (ان کے علاوہ اور کوئی اس کا ولی نہ تھا) چنانچہ انہوں نے ایک اور شخص (عثمانؓ بن ابی العاص) سے کہا تو انہوں نے ان کا نکاح پڑھا دیا۔''

اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ام حکیمؓ بنت قارظ سے پوچھا، ''تم نے اپنے نکاح کے باب میں مجھ کو مختار کیا ہے؟'' (میں جس سے چاہوں تمہارا نکاح کر دوں؟) انہوں نے کہا، ''جی ہاں''۔ عبدالرحمٰنؓ نے کہا، ''میں نے خود تجھ سے نکاح کیا۔''

عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ مرد، گواہوں کے سامنے اس عورت سے یہ کہہ دے اور اس کے خاندان میں سے کسی کو مقرر کر دے (کہ وہ اس کا نکاح پڑھائے) تو نکاح ہو جائے گا۔''

(صحیح بخاری، کتاب النکاح)

بہرحال ان تمام صورتوں میں بیوہ خاتون کی رضامندی حاصل کرنا لازمی ہے۔

o نکاح کی نیت سے ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ لینے کی شریعت میں اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جب تم میں سے کوئی شخص عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اسے چاہیے کہ ممکن ہو تو عورت کو ایک نظر دیکھ لے۔" (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2082)

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، "کیا تم نے اس کو دیکھا؟" وہ بولا، "نہیں"۔ فرمایا:

"جاؤ اور اسے دیکھ لو! انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ (نقص) ہوتا ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: 3485)

- بیوہ عورت اگر نکاح کے پیغام پر رضامند ہے تو اس پیغام کا جواب ولی کے مشورے سے خود دے یا ولی سے دلوائے، اس کے بعد کسی کو اس پیغامِ نکاح پر دوسرا پیغام دینا درست نہیں۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

"تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغامِ نکاح نہ دے حتیٰ کہ وہ نکاح کر لے یا پھر یہ رشتہ چھوڑ دے۔" (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 5144)

- البتہ عورت جس پیغام کی طرف مائل نہیں یا ولی کسی کے پیغام کو اس عورت کے حق میں بہتر نہ سمجھے تو وہ اس پیغام پر معذرت کر سکتی ہے تاکہ کوئی دوسرا پیغام آ جائے۔

فاطمہؓ بنت قیس سے روایت ہے کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا کہ مجھے معاویہؓ بن ابی سفیان اور ابوجہمؓ کی طرف سے نکاح کے پیغام آئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"معاویہ مفلوک الحال ہیں ان کے پاس (آجکل) مال نہیں ہے اور ابوجہم لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں اتارتے (سخت گیر آدمی ہیں) تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔"

مجھے یہ امر ناپسند ہوا۔ مگر آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کر لو۔ تب میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں اتنی خیر و خوبی رکھ دی کہ پھر مجھ پر دوسری عورتیں رشک کرنے لگیں۔" (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث: 3697)

(متقی بادشاہ یا امام الوقت سب کا ولی ہوتا ہے، البتہ والد حیات ہو تو والد ہی کی ولایت لازم ہے بشرطیکہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور پرہیزگار ہو)۔

- بیوہ خود بھی اپنے نکاح کے لیے کہلوا سکتی ہے، البتہ نکاح ولی ہی کی اجازت سے ہوگا۔

سیدہ خدیجہؓ نے (جبکہ وہ بیوہ تھیں اور نبی کریم ﷺ بھی ابھی نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے) آپ ﷺ کی دیانت اور حسنِ تدبیر سے کی جانے والی کامیاب تجارت کی تفصیلات سُنیں تو متاثر ہو کر اپنی سہیلی نفیسہ کو نکاح کی پیشکش سے متعلق آپ ﷺ کی رائے لینے کو بھیجا۔

نبی کریم ﷺ کا عندیہ پا کر وہ خدیجہؓ کے چچا (جو اس وقت اُن کے ولی اور سرپرست تھے) کو بُلا لائیں۔ دوسری طرف نبی کریم ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ سیّدہ خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لائے اور ان سے نکاح کیا۔ (بحوالہ تذکارِ صحابیات)

اس حدیث کی رو سے اگر عورت کی طرف سے مخصوص حالات میں پیغام بھجوانا شریعت میں معیوب ہوتا تو نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ اسے ممنوع ٹھہرا دیتے۔

دوسری مثال اس واقعہ سے بھی ملتی ہے۔

سیّدنا علیؓ کی شہادت ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کی بیوہ امامہؓ (نواسئ رسول ﷺ) سے نکاح کی تمنا کی، جبکہ علیؓ کی وصیت تھی کہ ان کے بعد امامہؓ، مغیرہؓ بن نوفل سے نکاح کریں۔ امامہ کا رجحان بھی مغیرہؓ کی طرف تھا۔ چنانچہ امامہؓ نے عدت پوری کرنے کے بعد خود مغیرہؓ کو اس کی اطلاع کی۔

مغیرہؓ فوراً امام حسنؓ کے پاس پہنچے اور ان کی اجازت سے بلا تاخیر امامہؓ سے نکاح کر لیا۔"

(بحوالہ تذکارِ صحابیات وحبیب کبریاؐ کے تین سو اصحاب)

- نکاح کے پیغام پر رضامندی ظاہر کرنے سے پہلے اپنے طور پر چھان بین اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مشورہ کے طور پر استخارہ کر لیا جائے تو فائدہ مند اور بابرکت سنت ہے۔

استخارہ کی دعا صفحہ 204 پر ملاحظہ کیجیے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پیمانۂ انتخاب

مسلمان عورت کے لیے شریکِ زندگی کے طور پر مرد کا انتخاب کرنے کے لیے کیا پیمانہ ہو؟ نیز وہ کون سے اوصاف ہیں جو ہر عورت ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے اپنے شوہر میں دیکھنا چاہتی ہے؟

بچیوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کرتے ہوئے اس عنصر کو بھی شامل رکھنا چاہیے کہ وقت آنے پر اپنے شریکِ زندگی کے بارے میں ان کی ترجیحات کیا ہوں؟ ایک مومنہ لڑکی کے شعور میں یہ راسخ ہو کہ مرد (بحیثیت شوہر) کے انتخاب کی بنیادی ضرورت، اس کا متقی ہونا ہے۔ اس لیے کہ جو بھی مومن اللہ کا فرمانبردار ہے اور اسی کی رضامندی کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا ہے، وہی تمام تر خوبیوں سمیت زندگی کے ہر میدان میں کامیاب اور بلند مرتبہ ہوسکتا ہے۔ اِرشادِ ربِ کریم ہے:

.... اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ .... (الحجرات: 13)

’’بلاشبہ تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے‘‘

قرآن واحادیث میں بہت دفعہ متقین کی صفات اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نکاح کے موقع پر خطبہ میں بھی زوجین اور دونوں خاندانوں کو ’’اللہ سے ڈرتے ہوئے‘‘ اس رشتے کے تمام تقاضے پورے کرنے کی تلقین وتاکید ہی کی جاتی ہے۔ اسی ضمن میں ایک اور جگہ حکم ہوا:

.... وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ .... (النور: 26)

’’اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں‘‘

شوہر کے انتخاب کے بارے میں مزید رہنمائی کے طور پر مندرجہ ذیل احادیث کافی ہیں۔

1۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کا پیغام آئے، جس کا اخلاق اور دینداری تمہیں پسند ہو تو بچی کا نکاح اس سے کردو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔‘‘ (جامع ترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللہ ﷺ، حدیث: 1084)

2۔ ام ابانؓ نے جنگ شحورا اور جنگ انطاکیہ وغیرہ میں بے مثال شجاعت کے محیّر العقل کارنامے انجام دیے۔ دمشق کی لڑائی میں ان کے شوہر شہید ہوگئے وہ انتقام لینے کے لیے شہید شوہر کے ہتھیار لٹکا کر میدان جنگ میں کود پڑیں اور رومیوں پر بڑی دلیری سے تیر برساتی رہیں۔

عدت کے بعد بہت سے معزز اصحابؓ نے ام ابانؓ کو نکاح کے پیغام بھجوائے۔

ان میں طلحہؓ بن عبیداللہ تیمی بھی تھے جو اصحاب عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ ام ابانؓ نے اُن کو دوسرے اصحاب پر ترجیح دیتے ہوئے ان سے نکاح کرلیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگیں:

’’میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں۔ وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے اور باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخوشی دے دیتے ہیں اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، کوئی کام کرو تو شکرگزار ہوتے ہیں اور خطا ہوجائے تو معاف کردیتے ہیں۔

علیؓ (بھی پیغام دینے والوں میں سے تھے) کہنے لگے ’’ان کا انتخاب بہت عمدہ ہے کہ ہم میں سے سب سے خوبصورت، سب سے سخی اور گھر والوں کے لیے سب سے بہتر سے نکاح کیا ہے۔‘‘

(کنز العمال، جز: 13، صفحہ: 198۔ اعلام النساء، جلد: 1، صفحہ: 20)

عربی مقولہ [اَلشَّاكِرُ يَسْتَحِقُّ الْمَزِيْد] شکر کرنے والا نعمت کی زیادتی کا مستحق ہے۔

انمول احادیثِ رسول ﷺ

’’جس شخص کی طلب آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو بے نیاز کردیتے اور اس کے سارے معاملات ٹھیک کردیتے ہیں اور دنیا سر کے بل اس کی طرف چلی آتی ہے اور جس کی طلب دنیا ہو، اس کی محتاجی اللہ اس کی نگاہوں کے سامنے گاڑ دیتے ہیں اور دنیا بھی بس اسے نصیب ہی کی ملتی ہے۔‘‘

(جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، حدیث: 2465)

’’وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کو اسلام کی توفیق ملی، بقدر ضرورت روزی اس کو میسّر آگئی، پھر وہ اس پر قانع ہوگیا۔‘‘ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب القناعۃ، حدیث: 4138)

’’تم میں بہشتی وہ کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جو اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم سچی کردیتے ہیں، تم میں دوزخی وہ ہیں جو اکھڑ، بداخلاق، مغرور لوگ ہیں۔‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نکاح کے لیے ضروری ارکان

نکاح خواہ بیوہ کا ہو، مطلقہ کا یا کنواری کا ،اس کے لیے مندرجہ ذیل ارکان کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔

(۱) ولی (2) دوگواہ (3) وکیل

(4) زوج (مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد)

اس کے علاوہ مہر فرض اور خطبۂ نکاح مسنون ہے جس کے بعد نکاح کا نفاذ مکمل ہو جاتا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا،''ان (تین) چیزوں کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا:
(۱) ولی (2) مہر (3) عادل گواہ۔'' (سنن بیہقی، جز: 7،ص: 126)

(۱) ولی

اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں یہ فرمانا کہ ''بے نکاح کا نکاح کردو۔'' (النور: 32)

''اور مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں کے ساتھ نکاح نہ کرو۔'' (البقرہ: 221)

دونوں آیات میں مخاطب مرد ہے لہٰذا عورت کے لیے ولی :

☆ صرف مرد ہوسکتا ہے، عورت ولی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2085)

''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے (تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے)۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2078)

''کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہیں کرسکتی اور نہ خود ہی اپنا نکاح (بغیر ولی کے) کر سکتی ہے۔ کیونکہ جو عورت خود اپنا نکاح کر لیتی ہے وہ زنا کار ہے۔''

(سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، حدیث: 1882)

☆ ولی کے لیے عورت کے والد کو اوّلیت حاصل ہے۔ والد نہ ہونے کی صورت میں دادا یا نانا ورنہ تایا، تایا نہیں تو چچا، چچا بھی نہیں تو ماموں، وہ بھی نہیں تو بڑا بھائی، وہ بھی نہیں تو چھوٹا بھائی حتیٰ کہ بیٹا بھی ولی ہوسکتا ہے البتہ ولایت کا حق ادا کرنے والے کسی بھی ولی کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ بالفرض ولی کوئی موجود ہی نہیں یا موجود ہے مگر ناسمجھ یا فاسق و فاجر یا بے دین ہونے کی وجہ سے قابلِ بھروسہ نہیں تو پھر اس علاقے کا دیندار حاکم یا عام مسلمانوں کے معاملات کا سربراہ یا سرپرست جس پر عام مسلمانوں کو بھروسہ ہو، اس خاتون کا ولی ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم ہے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2078)

☆ ولی کے لیے خیر خواہ ہونا ضروری ہے تاکہ کنواری یا بیوہ اگر کم عمر اور ناپختہ ذہن کی ہے تو ولی انتخاب کے معاملے میں اسے اونچ نیچ سمجھا سکے۔

فاطمہؓ بنت قیس کے نکاحِ ثانی کا واقعہ (صفحہ 132) اس کی مثال ہے، یہ وہ خوش نصیب صحابیہؓ ہیں جن کے نکاح کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود اُسامہ بن زیدؓ کا انتخاب کیا اور ان کی طرف پیغام بھیجا۔

☆ ولی زبردستی اپنی مرضی کی جگہ رشتہ کرانے پر مجبور کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی ایسا رویہ رکھنے والا ہو کہ اچھے رشتے کی پیشکش آئے اور وہ بیوہ کو اس پیغام سے متعلق اطلاع کرنے کی بجائے غفلت برتے۔ اور نہ ہی ولی سر سے بوجھ اتارنے کی خاطر جیسا تیسا بھی پیغام آ جائے، غنیمت سمجھتے ہوئے بیوہ کو مصنوعی تسلی دے کر 'ہاں' یعنی رضامند کرالے۔

''خنساءؓ بنت حزام انصاریہؓ بیوہ ہوئیں تو ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، جبکہ وہ اسے ناپسند کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ نبی اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور اس بات کا تذکرہ کیا)۔ آپؐ نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

(2) گواہ

...وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ... (الطلاق : 2)

''اور اپنے میں سے دو عادل مردوں سے گواہی دلاؤ۔''

☆ نکاح ولی کے علاوہ دو مرد گواہوں یا (بحالت مجبوری) ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے منعقد ہوتا ہے۔

☆ گواہ کے لیے ضروری ہے کہ

(۱) مسلمان ہو (2) بالغ ہو (3) عاقل ہو (4) عادل ہو

(عادل سے مراد ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ گناہوں سے بھی اجتناب کرتا ہو یعنی نیک اور متقی ہو۔ جس معاشرے میں عدل کی صفات عمومی طور پر نہ پائی جاتی ہوں اور ان دو گواہان میں بھی ان کی کمی نظر آئے تو ایسی صورت میں نکاح کے موقع پر ان دو کے علاوہ بھی افراد کی موجودگی بہتر ہے۔)

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی صرف عورتوں کو گواہ بنا کر نکاح کرے تو جائز نہیں۔ جب تک کہ عورتوں کے ساتھ مرد بھی نہ ہوں۔ (المغنی، فصل النکاح، جز: 24، ص: 362)

امام زہریؒ نے بھی ان کی رائے سے موافقت کی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ حدود، نکاح اور طلاق (کے معاملات) میں محض عورتوں کی گواہی قبول نہیں۔ ابوعبیدہؓ اس کے راوی ہیں۔

''نبی اللہ ﷺ نے خیانت کرنے والے مرد اور عورت کی اور اپنے بھائی سے کینہ رکھنے والے کی گواہی کو رد کیا اور اپنے گھر پر قناعت کرنے والے کی ان گھر والوں کے حق میں گواہی کو رد کیا جبکہ اوروں کے لیے اسے جائز رکھا۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب القضا: 3600)

(قناعت کرنے والے سے مراد ہے کہ وہ شخص خادم ہو یا اس پر گھر والے خرچ کرتے ہوں)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(3) وکیل

نکاح کا متمنی کوئی شخص ایسی عورت کو نکاح کا پیغام بھجوانا چاہے جو وہاں سے دور کسی علاقے میں رہتی ہو یا وہ شخص کسی وجہ سے خود وہاں تک نہ جا سکتا ہو تو اس کام کے لیے وہ کسی عاقل، بالغ، متقی شخص کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ پھر وہ عورت پیغام قبول کر لے تو اس کا نکاح وہیں سے گواہان کی موجودگی میں مذکورہ شخص سے کرایا جائے۔ ایسا کرنا جائز اور مسنون ہے۔

7 ہجری میں سیدہ میمونہؓ (جو رسول اللہ ﷺ کے چچا عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ کی حقیقی بہن تھیں) بیوہ ہوئیں۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ عباسؓ نے میمونہؓ سے نکاح کے لیے آپ ﷺ کو آمادہ کیا۔ آپ ﷺ رضامند ہو گئے۔ مؤطا امام مالک میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

سلیمانؒ بن یسار سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے مولیٰ ابورافعؓ اور ایک انصاری شخص کو بھیجا۔ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ کا نکاح میمونہؓ بنت حارث سے کر دیا۔

اور نبی ﷺ نکلنے سے قبل مدینہ میں تھے۔ (موطا امام مالک، کتاب الحج، حدیث:74)

ام المومنین امّ حبیبہؓ (اصلی نام رملہ) اور ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں جا کر عبیداللہ نے رملہؓ کے سمجھانے کے باوجود اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی اور شراب پینے لگے۔ پھر اسی مذہبی اختلاف پر دونوں کے مابین علیحدگی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد عبیداللہ کی وفات ہو گئی۔

عدت کے دن ختم ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے عمروؓ بن امیہ ضمری کو نجاشیؒ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اُمّ حبیبہؓ (عثمانؓ کی پھوپھی زاد بہن اور ابوسفیانؓ کی بیٹی) کو اُن کی غریب الوطنی میں ام المومنین بننے کے پیغام کی خوشخبری دیں۔ نجاشیؒ (حبشہ کا عیسائی بادشاہ جو کہ مسلمانوں کا دوست تھا) نے اپنی لونڈی ابرہ کے ذریعے پیغام کہلوایا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے آپ کے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نکاح کے لیے لکھا ہے۔ وہ اِس پیام سے نہایت خوش ہوئیں اور ابرہ کو اِس کام کے لیے وکیل مقرر کرنے کو کہا، نجاشیؓ نے خالدؓ بن سعید اموی کو ان کا وکیل مقرر کر دیا اور وہاں کے دوسرے مسلمانوں کو (غائبانہ نکاح کی تقریب کے لیے) جمع کیا۔ انہوں نے ام المومنین ام حبیبہؓ کا نکاح (یوں) کر دیا کہ (پہلے) نجاشیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے پیام دیا۔ خالدؓ نے اِسے ام حبیبہؓ کی طرف سے قبول کر کے ان کا نکاح کر دیا۔ نجاشیؓ نے چار سو دینار زرِ مہر خالدؓ کو نبی ﷺ کی طرف سے ام حبیبہؓ کے لیے ادا کیے۔ (بحوالہ تاریخ الطبری، جز: 2، ص: 295)

سنن ابوداؤد میں خود ام حبیبہؓ یوں روایت کرتی ہیں کہ وہ عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور وہ حبش کے ملک میں فوت ہوگئے تو حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ نے ان کا نکاح نبی ﷺ کے ساتھ کر دیا اور ام حبیبہؓ کا مہر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم ادا کر کے ان کو حسنہ کے بیٹے شرحبیل کے ساتھ آپؐ کے پاس بھیج دیا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2107)

ہمارے ہاں نکاح کے موقع پر روایتی نکاح خواں (جو عموماً مولوی صاحب ہی ہوتے ہیں) کے بغیر نکاح کا تصور نہیں۔ حالانکہ دو انسان (مرد اور عورت) جن کے پیچھے دو خاندان ہیں، کو رشتہ ازدواج میں جوڑنے کے لیے دونوں طرفین کے ولی اور گواہان بھی یہ خدمت بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ نیز خاندان کا کوئی بھی بزرگ خطبۂ نکاح (جسے نکاح پڑھانا بھی کہتے ہیں) دے سکتا ہے جو نئے جوڑے کے لیے نئی زندگی شروع کرنے سے متعلق ایک نصیحت اور تلقین ہے۔

عورت کا ولی کسی محرم عزیز کو ''وکیل'' مقرر کر کے گواہان یا ان میں سے کسی ایک کو ساتھ لے کر مستورات کی طرف جاتا ہے کہ عورت سے اذن یا رضامندی لیں۔ اس کے ساتھ ہی نکاح کی گرہ لگ جاتی ہے۔ (نامحرم قاضی یا مولوی صاحب کا اندر جا کر لڑکی سے رضامندی لینا غیر شرعی ہے)

نیز اس موقع پر لڑکی سے زبانی رضامندی یعنی ''ہاں'' کہلوانے کے علاوہ مروّجہ نکاح نامہ پر دستخط بھی کرائے جاتے ہیں جو اگرچہ مسنون نہیں، مگر ہمارے ہاں معروف ہے۔

نکاح کے موقع پر دولہا دلہن کو دی جانے والی مسنون دعا:

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَ بَارَکَ عَلَیْکَ وَ جَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ ۔ (جامع ترمذی)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے برکت کرے اور تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کو خیر پر اکٹھا رکھے۔''

غائبانہ نکاح جائز ہے

مذکورہ بالا احادیث اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ غائبانہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح عارضی اور قانونی مجبوریوں کی بنا پر اگر بذریعہ خط و کتابت، ٹیلی فون، یا انٹرنیٹ پر کسی دوسرے شہر یا ملک میں مقیم زوج کے ساتھ نکاح کرنا پڑے، تو جائز ہے، نکاح کے باقی ارکان بہرحال پورے ہونے چاہئیں یعنی ولی کی اجازت، زوجین کی رضامندی (ایجاب و قبول)، گواہان (جو بوقت نکاح ایجاب و قبول کرنے والوں کی شناخت بھی کر سکیں)، اور مہر وغیرہ۔

اس طرح نکاح ہو جائے اور لڑکی کی رخصتی فوری ممکن نہ ہو تو رخصتی بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔

ایجاب و قبول

ایجاب کا لفظ واجب سے نکلا ہے۔ نکاح تک لڑکی کا والد اس کا ولی تھا اور اس کے نان نفقہ، دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری اس پر واجب تھی۔ اب اس نے ولایت کی یہ ذمہ داری اس کے شوہر کو سونپی ہے اور شوہر نے یہ ذمہ داری ''قبول'' کر لی ہے۔

خطبہ نکاح

دونوں طرفین کو نئے بندھن کی ابتدا پر قرآنی آیات کے حوالے سے وعظ و نصیحت کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطبۂ حاجت (خطبۂ نکاح) یوں سکھایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ پھر یہ آیات پڑھیں:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿ النساء:1 ﴾..﴿ آلِ عمران:102 ﴾..﴿ الاحزاب:71-70 ﴾

(مسند احمد ،سنن ابی داؤد ، سنن ترمذی،سنن نسائی،ابن ماجہ،الدارمی)

(4) زوج

زوج بحیثیت منکوحہ،مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ..... (النحل:72)

''اور اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ازواج (جوڑے) بنائے اور تمہارے لئے ان ازواج میں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تم کو پاکیزہ رزق دیا.....۔''

اِذن و رضامندی میں فرق

عورت کے نکاح کے لیے جس طرح ولی کی رضامندی اور سرپرستی نہایت ضروری ہے اسی طرح ولی کے لیے یہ امر انتہائی اہم ہے کہ وہ عورت کی رضامندی اور اجازت حاصل کر کے اس کا نکاح کرے۔ بظاہر ''رضامندی اور اجازت'' ہم معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن کنواری اور شوہر دیدہ کے نکاح کے ضمن میں بحوالہ احادیث ان کے دو مختلف مفہوم ہیں۔

1۔ کنواری لڑکی چونکہ ازدواجی زندگی کے معاملات اور گھر بار کی ذمہ داریوں سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہوتی لہٰذا اس کے لیے زوج کا انتخاب والدین یا سرپرست ہی کرتے ہیں جو معاملہ فہمی کی بصیرت رکھتے ہیں۔انتخاب کے بعد بچی کی والدہ جو یقیناً سب سے قریبی دوست بھی ہوتی ہے،عموماً اسے اس رشتہ سے متعلق تمام تفصیلات بتا دیتی ہے۔ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کنواری بچی کی والدہ سے اس کے نکاح کے بارے میں دریافت کر لے تا کہ پھر نکاح کے وقت اس کی اجازت (اذن) اس کی خاموش رضامندی کی صورت میں حاصل کر لی جائے۔

عربی مقولہ [خَيْرُ الْاَحْبَابِ مَنْ يَدُلُّكَ عَلَى الْخَيْرِ] سب سے اچھا دوست وہ جو بھلائی کی بات کہے

2۔ بیوہ خاتون کی 'رضامندی' سے مراد، بیوہ اور ولی کے مابین براہ راست مشورہ اور متوقع زوج سے معاملات اور مصالح طے کرنا ہے۔

اگرچہ فیصلے کا اختیار بیوہ ہی کو اپنی ذمہ داری کی بنیاد پر رہتا ہے،مگر یہاں ولی کی حیثیت ایک خیرخواہ مشیر' راست باز معاون اور ذمہ دار سرپرست کی سی ہوتی ہے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا،''جس سے مشورہ کیا جائے وہ قابلِ اعتماد ہونا چاہیے۔''
(سنن ابوداؤد، کتاب الادب،حدیث:5109)

بیوہ کے نکاح کے لیے براہ راست رضامندی لینا اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ بیوگی کے بعد وہ کسی حد تک خود مختار زندگی گزار رہی ہوتی ہے اور شادی شدہ زندگی سے وابستہ رہ چکنے کی وجہ سے نسبتاً زیادہ راسخ العقل ہو جاتی ہے اور اسے اب اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے یتیم بچوں اور ان کے اس سرمایہ (مالِ وراثت) وغیرہ سے متعلق بھی کچھ سوچ بچار اور حکمت عملی طے کرنی ہے جو مرحوم شوہر نے چھوڑا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''شوہر دیدہ عورت اپنے ولی کے مقابلے میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔'' (صحیح مسلم،کتاب النکاح،حدیث:3476)

نیز فرمایا،''ایّم (بیوہ/مطلقہ) کا نکاح اس سے مشورہ کیے بغیر اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت (اذن) کے بغیر نہ کیا جائے۔'' صحابہ کرامؓ نے پوچھا،'یارسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا،''اس کے خاموش رہنے سے۔'' (صحیح مسلم،کتاب النکاح،حدیث:3473)

سیدہ عائشہؓ کی بیان کردہ روایت میں یوں اضافہ ہے:

''.....میں نے عرض کیا کہ کنواری سے اجازت لی جاتی ہے تو وہ شرم کے مارے چپ ہو جاتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا،''اس کا چپ ہونا، یہی اجازت ہے۔'' (صحیح بخاری،کتاب الاکراہ)

عربی مقولہ [شَاوِرْ قَبْلَ تَعْزِمَ وَفَكِّرْ قَبْلَ تَقْدِمَ] عزم سے پہلے مشورہ کرو اور اقدام سے پہلے سوچو۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(''خاموشی اذن ہے'' یہ لڑکی کو پہلے سے بتا دیا جائے۔ ہوسکتا ہے وہ انجانے میں خاموشی کی شکل میں اپنے طور پر انکار کا اظہار کر رہی ہو اور ولی کی طرف سے نکاح نافذ کرانے کے بعد لڑکی کے اعتراض پر نکاح باطل ٹھہرانا پڑے)

بسا اوقات عورت کی فطری حیا اور وفا اسے بیوہ ہونے کے بعد دوسرے نکاح کے لیے آمادہ نہیں کرتی۔ لیکن اگر اس کا ولی اس کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے اس کا نکاح ثانی کسی مناسب جگہ کرنا چاہے، مزید یہ کہ ولی خود ایسا دیندار اور متقی ہو اور بیوہ کو اس کے فیصلے پر مکمل بھروسہ ہو کہ وہ جہاں بھی اس کے نکاح کے لیے بات کرے گا وہ یقیناً بیوہ کے لیے خیر و برکت والی ہوگی، تو بیوہ کو اس پیشکش کی قدر افزائی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اُمّ المومنین سیّدہ حفصہؓ کی مثال ہے کہ جب وہ بیوہ ہوئیں اور ان کی عدت پوری ہوگئی تو ان کے والد عمر فاروقؓ کو ان کے نکاح ثانی کی فکر ہوئی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ سے حفصہؓ کا ذکر کیا۔ سیدنا عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا اور انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ کو حفصہؓ سے نکاح کر لینے کے لیے کہا۔ وہ خاموش رہے۔ سیدنا عمرؓ کو اس خاموشی پر حیرت ہوئی۔ پھر وہ سیدنا عثمانؓ کے پاس گئے۔ اسی زمانے میں سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول ﷺ کا انتقال ہوا تھا جو سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں اپنی لختِ جگر سے نکاح کر لینے کو کہا تو انہوں نے فرمایا، 'میں ابھی نکاح کرنا نہیں چاہتا ہوں'۔ اب عمرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات بیان کیے۔ آپؐ نے فرمایا:

''حفصہ کا نکاح ایسے شخص سے کیوں نہ ہو جائے جو ابوبکر اور عثمان دونوں سے بہتر ہے۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''حفصہ کی شادی اس شخص سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کا نکاح اس سے ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہے۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ حفصہؓ سے نکاح کر لیا اور اپنی دوسری صاحبزادی سیّدہ اُمّ کلثومؓ کا نکاح سیّدنا عثمانؓ سے کر دیا۔

مہر

☆ 'مہر' یا 'صداق' قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ (النساء:24)

''.... تو جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان (منکوحہ عورتوں) سے اٹھاؤ، اس کے بدلے کے طور پر ان کے مہر فرض جان کر ادا کرو.....''

☆ مہر وہ حقِ مال ہے جو مرد نکاح کرنے کے لیے عورت کو اس کے نفس کے بدلے میں ادا کرتا ہے۔ اس کی ادائیگی سے عورت مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

☆ نکاح خواہ کنواری لڑکی سے ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) سے، دونوں صورتوں میں مہر کا مقرر کرنا اور اسے ادا کرنا واجب ہے۔

☆ عقد کے وقت مہر کا تذکرہ مسنون ہے، آج کل اسے نکاح نامے پر درج کیا جاتا ہے۔

☆ جس طرح عورت نکاح کے بعد مرد کی خوشی کی خاطر اپنا نفس اس کے حوالے کرتی ہے، اسی طرح مرد کے لیے بھی مہر کی رقم یا مال خوش دلی سے ادا کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ ..... (النساء:4)

''اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو۔''

☆ ادائیگی کے پیشِ نظر مہر اتنا ہی طے کیا جانا چاہیے جتنا ادا کرنے کی استطاعت ہو۔ زیادہ مہر مقرر کرنے کے لیے نہ تو لڑکی والوں کو اصرار کرنا چاہیے اور نہ ہی لڑکے والوں کو دکھاوے کے طور پر بڑھ چڑھ کر زیادہ لکھوانا چاہیے۔

☆ نمود و ناموری کی خاطر لاکھوں کا مہر مقرر کر لینا، اس نیت سے کہ بعد میں عورت سے معاف کروا لیں گے، گناہ کا کام ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ البتہ کوئی عورت خود خوشدلی سے یا شوہر کی کمزور مالی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے (باہم رضامندی سے) پورا مہر یا اس کا کچھ حِصّہ معاف کرنا چاہے تو شوہر اس نیکی اور احسان کو برضا و رغبت قبول کرسکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

... فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا o (النساء :4)

''...البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حِصّہ تمہیں معاف کردیں تو اُسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔''

سیّدنا عمرؓ اور قاضی شریح کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو پورا مہر یا اس کا کوئی حِصّہ معاف کردیا ہو اور بعد میں وہ اس کا پھر مطالبہ کرے تو شوہر اس کے ادا کر دینے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اس کا مطالبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر یا اس کا کوئی حِصّہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ (بحوالہ تفہیم القرآن)

(اگر خوشی سے چھوڑا تھا تو پھر یہ ہبہ کی طرح تھا جو دے کر واپس نہیں لیا جاتا۔ واللہ اعلم)

☆ زیادہ مہر دینے کے جواز کے طور پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کو بطور دلیل لیا جاتا ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا o

(النساء: 20)

''اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری لانا چاہو اور اگر اس (پہلی) کو تم سونے کے ڈھیر بھی دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟''

حالانکہ مہر کی مقدار نہ تو کوئی مقرر ہے اور نہ ہی فقط بتیس روپے مہر پر نکاح کی گرہ باندھنا کسی سنت سے ثابت ہے۔ اس کی مقدار جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا، مالی استطاعت پر

منحصر ہے۔

''بہترین مہر وہ ہے جو آسانی سے ادا کیا جاسکے۔'' (سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح :2117)

☆ بعض مخصوص حالات میں کم مہر بھی افضل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

کم سے کم مہر احادیث کے مطابق ایک زِرّہ، گٹھلی برابر سونا، یا جوتیوں کا ایک جوڑا، یہاں تک کہ لوہے کی ایک انگوٹھی بھی ہوسکتا ہے (اگر صرف اسی کی استطاعت ہو)۔

یہ تو سب مادی چیزیں ہیں، نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کا نکاح اس مہر پر بھی کرا دیا کہ وہ قرآن کی سورتیں جو اسے یاد ہیں، اپنی بیوی کو یاد کرائے گا (مفلسی کی وجہ سے اس کے پاس بطورِ مہر دینے کو کچھ نہ تھا)۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 5135)

رسول اللہ ﷺ نے صفیہؓ کو آزاد (کر کے ان سے نکاح) کیا۔ اور ان کا آزاد کرنا یہی ان کا مہر مقرر کیا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

☆ زوجین کی باہمی رضامندی سے حقِ مہر نکاح کے موقع پر بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ جس کو ہمارے ہاں معروف میں مہر معجّل کہتے ہیں۔ اور آپس کی افہام و تفہیم سے مہر کے کچھ حصے کی ادائیگی نکاح کے موقع پر، اور کچھ ادائیگی مؤخر کردی جائے تو اسے مہر غیر معجّل (مؤجل) کہا جاتا ہے، یہ بھی جائز ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا o (النساء: 24)

''مہر کی قرارداد ہوجانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے مابین کوئی سمجھوتہ ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ علیم اور دانا ہیں۔''

☆ دوست کے مہر کی ادائیگی کے لیے دوسرا دوست یا بھائی یا باپ خوشی سے ادا کرنا چاہے تو اس کی دلیل یہ ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اُمّ حبیبہؓ کو مہر چار سو دینار

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نجاشی بادشاہ نے ادا کیا تھا (باقی ازواج مطہراتؓ اور صاحبزادیوںؓ کا مہر چار یا پانچ سو درہم تھا)۔'' (بحوالہ مسند احمد، کتاب مسند القبائل، حدیث: 26140)

ابوسلمہؓ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی ﷺ (کی ازواج مطہراتؓ) کا حق مہر کیا تھا؟'' عائشہؓ نے فرمایا ''بارہ اوقیہ اور ایک نش۔'' پھر عائشہؓ نے پوچھا ''جانتے ہیں نش کتنا ہوتا ہے؟'' ابوسلمہؓ نے کہا ''نہیں''۔ عائشہؓ نے فرمایا ''نصف اوقیہ، اور یہ سارا پانچ سو درہم بنتا ہے، (ساڑھے بارہ اوقیہ) یہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کا حق مہر تھا۔'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: 3489)

(موجودہ حساب سے تقریباً دس ہزار روپے بنتا ہے۔)

سیدنا علیؓ جب سیدہ فاطمہؓ سے نکاح کرانے کی درخواست لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے پوچھا ''کیا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے بھی کچھ ہے؟'' علیؓ نے نفی میں جواب دیا، پھر آپؐ نے فرمایا ''وہ حطمیہ زرہ، جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی، کیا ہوئی؟'' علیؓ نے کہا، 'وہ تو موجود ہے'۔ آپؐ نے فرمایا ''بس وہی کافی ہے۔'' اس کے بعد سیدنا عثمانؓ ذوالنورین نے وہ زرہ سیدنا علیؓ سے چار سو اسّی درہم پر خرید لی اور بعد میں وہ زرہ بھی انہی کو ہبہ کردی۔ پھر اس رقم سے نبی کریم ﷺ نے علیؓ کو خوشبو چمڑے کا گدا، (جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے) چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشکیزہ اور دو چکیاں خرید لانے کو کہا۔ یہی چیزیں عمر بھر سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ رہیں۔

(سیر الصحابیات، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جز: 8، صفحہ: 20)

☆ دیہات وغیرہ میں ابھی بھی مہر کی ادائیگی کی بجائے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) کا رواج ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا۔ اور شغار کیا ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی (یا بہن) دوسرے کو بیاہ دے اس (شرط) پر کہ وہ بھی اپنی

بیٹی (یا بہن) اس کو بیاہ دے اور اس کے علاوہ کوئی مہر نہ ٹھہرائیں۔ (بعض محدثین کے نزدیک یہاں شغار کی تفسیر ابنِ عمرؓ یا امام مالک کا قول ہے)۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

☆ خلع کی صورت میں عورت کو شوہر سے لیا ہوا مہر واپس کرنا ہوتا ہے۔

(اسلام نے عورت کو خلع کے ذریعے علیحدگی کا حق اس صورت میں دیا ہے جبکہ وہ شوہر کو بے دینی، اخلاقی عیوب، ناروا سلوک وغیرہ کی بنا پر ناپسند کرتی ہو اور اس سبب سے اپنے نفس پر نافرمانی رب کے گناہ میں پڑ جانے کا خوف کرے اور یوں وہ اپنا مہر واپس کر کے، تاکہ شوہر زوجیت کا رشتہ ختم کرنے پر راضی ہو جائے، خلع لے سکتی ہے۔)

☆ وفات پانے والے شوہر نے اگر زندگی میں بیوی کا مہر کسی وجہ سے ادا نہیں کیا تھا تو اب ترکہ کی رقم میں سے ایسے ہی ادا کیا جائے گا جیسے کسی میت کا قرض ادا کیا جاتا ہے۔

عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مر گیا۔ نہ عورت سے ہم بستری کی نہ حق مہر طے کیا تھا۔ عبداللہؓ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ عورت کے لیے پورا حق مہر ہے (مہر مثل)۔ اس پر عدت (گزارنا بھی واجب) ہے اور وراثت میں بھی اس کا حصہ ہے۔

معقلؓ بن سنان نے کہا، '' میں نے رسول اللہ ﷺ کو بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 2114)

☆ قرآن الکریم میں یتیم بچی کے ولی کو کم مہر پر اس سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے خصوصاً جبکہ وہ مہر مثل سے بھی کم ہو یہاں تک کہ پورا مہر (اپنی مالی استطاعت کے بقدر) مقرر کرے تب انصاف کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

... وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ... ○ (النساء: 127)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

"… اور (اللہ تعالیٰ متوجہ کرتے ہیں) اس طرف جو تلاوت کیا گیا تم پر کتاب میں ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے جو مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور چاہتے ہو تم کہ ان سے خود نکاح کرلو…"

"مہر مثل" کیا ہے؟

اتنا مہر جتنا اس کے خاندان کی اسی جیسی دیگر عورتوں نے اپنے خاوندوں سے لیا، مثلاً: بہن، پھوپھی زاد، خالہ زاد وغیرہ۔ یا اگر یہ یتیم بچی مرد کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی ہے تو اس سے پہلے والیوں کا جتنا مہر تھا اس کا بھی اتنا ہی مہر دینا، یہ "مہر مثل" ہے۔

عورتوں کو اپنے پاک اموال؛ سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، زرعی پیداوار، پھلوں وغیرہ سے زکوٰۃ، صدقات اور نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے کا حکم، ان کے حقِ ملکیت اور اپنے اموال پر قادر ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ مہر کی رقم ہو یا کسی بھی قسم کے تحائف، وراثت کا مال ہو یا سالانہ / ماہوار نفقہ، بالغ اور شادی شدہ عورت کو اس کے تصرف کا پورا حق اور اختیار حاصل ہے، البتہ حسنِ معاشرت اور حسنِ نباہ کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے ولی یا سرپرست مثلاً والد، بھائی، شوہر یا خاندان کے کسی مدبر اور جہاندیدہ بزرگ سے خرچ کرنے کے معاملے میں مشورہ کرلیا کرے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

... وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ... (الشوریٰ: 38)

"اور ان کے کام آپس میں مشورہ سے ہوتے ہیں"

احادیثِ نبوی ﷺ

"اسلام میں کوئی حکم ایسا نہیں جس میں (بلاوجہ) ضرر ہو اور نہ ہی کسی کو اجازت ہے کہ وہ کسی دوسرے کو نقصان دے۔" (سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، حدیث: 2341)

"نہ نقصان دینا ہے اور نہ (نقصان) برداشت کرنا، جس نے کسی کا نقصان کیا، اللہ تعالیٰ اسی کا نقصان کریں گے اور جس نے کسی کو پریشان کیا، اللہ تعالیٰ اسی پر پریشانیاں ڈالیں گے۔"

(المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب واما الحدیث المعمر بن راشد، 2305)

نکاح میں ہدیہ

پسندیدہ

مہر کے علاوہ دولہا پہلی ملاقات میں دلہن کو کچھ (تحفہ) ہدیتاً دینا چاہے تو یہ پسندیدہ ہے۔ تحائف کے تبادلے سے دل جڑتے اور محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایک دوسرے کو ہدیہ (تحفے) دیا کرو۔ تم آپس میں محبت کرنے لگو گے۔"

(اخرجہ البخاری فی الادب المفرد، باب قبول الھدیہ، حدیث: 594، صفحہ: 203)

مسنون

رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو ہدایا دینا یا ان کی طرف سے ہدایا قبول کرنا ثابت ہے۔ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہراتؓ کو مختلف مواقع پر کوئی نہ کوئی ہدیہ عطا فرمایا کرتے، اسی طرح دعوتِ حق کے سلسلے میں بادشاہوں کو خطوط کے ساتھ رواج کے مطابق تحائف بھی روانہ فرماتے، یہاں تک کہ اپنی مرحومہ زوجہ خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھی (خصوصاً قربانی کے گوشت میں سے) ہدیتاً حصہ بھجواتے۔

جہیز یا ہدیہ

اکثر کتب احادیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی اکثر ازواج مطہراتؓ کو نکاح کے موقع پر بارہ اوقیہ مہر اور تحائف کے طور پر چرمی تکیہ یا گدّہ، چٹائی، چھاگل (لمبا گھڑا)، چکّی، یا اسی قسم کا گھریلو سامان عطا کیا تاکہ وہ بحثیت بیوی اور خاتونِ خانہ اپنی خانگی زندگی کا آغاز کریں۔ جہیز میں بیٹیوں کو کچھ دینا یا لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا، اس کی دور نبویؐ میں اور خود کاشانۂ رسول ﷺ یا صحابہ کرامؓ کے خانگی تذکرات میں کوئی واضح مثال نہیں ملتی۔

البتہ طرفین میں سے ایک اگر مالی طور پر کمزور ہو تو دوسری جانب والے بطورِ مروّت و احسان اعانت کرسکتے ہیں تاکہ ہنسی خوشی یہ فریضہ انجام پا جائے۔ جیسا کہ:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نبوت سے پہلے نبی اللہ ﷺ کی صفات سے سیدہ خدیجہؓ اتنی متاثر ہوئیں کہ ان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت گھر کر گئی۔ تب انہوں نے پیغامِ نکاح کہلوایا۔ پھر جب سب کچھ طے ہو گیا تو خدیجہؓ جو کہ مالدار خاتون تھیں اور جانتی تھیں کہ محمد ﷺ معاشی طور پر مستحکم نہیں ہیں، انہوں نے دو اوقیہ چاندی یا سونا آپؐ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ایک جوڑا خرید کر مجھے ہدیہ کر دیں اور ایک مینڈھا (ولیمہ کی دعوت کے لیے) اور اس کے علاوہ فلاں فلاں چیزیں خرید لیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا ...... (بحوالہ مسند احمد، طبرانی، سنن بیہقی)

سیدہ فاطمہؓ کو گھریلو استعمال کی اشیاء بطورِ جہیز دیے جانے کو اکثر صحیح طور پر روایت نہیں کیا جاتا جیسا کہ چند صفحات پہلے بھی اس بات کا تذکرہ ہوا کہ دراصل نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کے نکاح کے پیغام کے بعد سیدنا علیؓ کو اپنی زرّہ بیچ کر، جو اس وقت ان کا کل سرمایہ تھی، مہر کی ادائیگی، اشیائے خانہ داری اور خوشبو لانے کی ترغیب دی تھی۔ اور پھر نکاح کر کے دونوں کو ان اشیاء سمیت ایک مکان کی طرف روانہ کر دیا، جو ایک صحابیؓ کی طرف سے پیش ہوا تھا۔ اس سے پہلے سیدنا علیؓ نبی کریم ﷺ ہی کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو انہیں فرمایا کہ ''میں نے نجاشی کے لیے کپڑے اور چند اوقیہ مُشک تحفہ میں بھیجی تھی اور (یہ چیزیں پہنچنے سے پہلے ہی) نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ میرا ہدیہ واپس آ جائے گا تو وہ تمہارا ہو گا۔'' پھر وہی ہوا۔ آپ ﷺ کا بھیجا ہوا ہدیہ واپس آ گیا۔ آپؐ نے اُم سلمہؓ سمیت ہر زوجہ کو ایک اوقیہ مُشک عنایت فرمائی اور باقی مُشک اور کپڑا ام سلمہؓ کو دے دیا۔

بہترین ہدیہ خوشبو

یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ دینے والی اشیاء میں خوشبو مسنون اور ایک بہترین تحفہ ہے۔ سیدہ فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ کے لیے دیگر سامان کے ساتھ

خوشبو بھی خرید لانے کا مشورہ دیا تھا۔

اسی طرح نجاشیؒ (شاہِ حبشہ جو جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو خوشبو پسند ہے) نے اپنے مُلک میں اُم حبیبہؓ کا غائبانہ نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان ہی کے حکم سے کرایا تو انہیں مدینہ منورہ رخصت کرتے وقت بہت سے تحائف کے ساتھ بہت سی خوشبویات بھی عنایت کیں۔

روایت ہے کہ شاہِ حبش نے اپنی تمام بیویوں کو حکم دیا کہ ان کے پاس جتنا بھی عطر ہے وہ سارا اُمِّ حبیبہؓ کے پاس ہدیتاً بھیج دیں۔ چنانچہ اگلے دن بادشاہ کی مشیر خاص ابرہہؓ (جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں) عود، ورس، عنبر، زباد اور دیگر بہت سی خوشبویات سیدہ اُمِ حبیبہؓ کے پاس لے آئیں۔

(المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃؓ، حدیث: 6855)

یادگار

پہلی ملاقات میں شوہر کی طرف سے دیا ہوا تحفہ (خوشبو کے علاوہ) خواہ کچھ بھی ہو، بیوی کے پاس ہمیشہ یادگار رہتا ہے۔ اور بعض گھرانوں میں تو یہ نسل در نسل سنبھالا جاتا ہے۔

مہر اور ہدیہ میں فرق

لڑکے والوں کی طرف سے دلہن کو ملنے والے ہدایا اگر بطورِ مہر دیے جا رہے ہیں تو ان کا نکاح کے موقع پر تذکرہ کیا جانا ضروری ہے۔ یا پھر نکاح نامہ میں تحریر کر دیا جائے تا کہ بعد میں کسی قسم کی بدمزگی اور رنجش پیدا نہ ہو، اور اگر مہر الگ مقرر کیا گیا ہے اور یہ تحائف جنہیں معروف میں 'بَری' کہا جاتا ہے، ہدیتاً / تحفتاً دیے جا رہے ہیں تو اس کا بھی ذکر کر دینا چاہیے۔

یہ امر اس لیے بھی لازم آتا ہے کہ مہر میں باہمی رضامندی یا مالی عسرت کے پیش نظر (اللہ سے اجر و برکت کی امید میں) کمی یا معاف کر دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر ہدیہ اور ہبہ دے کر واپس نہیں مانگا جاتا۔

عربی مقولہ [تَهَادُوا تَحَابُّوا] تحائف کا تبادلہ محبتوں کو بڑھاتا ہے

مہر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ
شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝ (النساء :4)

''اورعورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ (فرض جان کر) ادا کیا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حِصّہ تمہیں معاف کر دیں، تو اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔''

ہبہ

حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہے، ''ہبہ دے کر واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے چاٹ لیتا ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا)

نیز ہبہ کی شرط 'قبول' ہے اور قبول کی شرط 'قبضہ' (ملکیت) ہے۔

اس کے بعد موہب (ہبہ کرنے والا) کا اسے واپس لینے کا کوئی حق نہیں رہتا البتہ وہ موہوب (جسے ہبہ کیا گیا) کی مرضی سے امانت کے طور پر اسے اپنے پاس رکھے رہے، تو کوئی حرج نہیں۔

مہر اور تحائف واپس لینے کی ناپسندیدہ اشکال

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، ہدیہ واپس لینا ایک مکروہ اور غیر مہذب فعل ہے۔ ازدواجی زندگی کے حوالے سے دیکھیں تو بسا اوقات منکوحہ (خواہ کنواری ہو یا ثیبہ) جب شوہر کے دل سے اُترنے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ تعلقات اس حد تک بگڑنے لگتے ہیں کہ شوہر اسے مزید رکھنا یا بسانا ہی نہیں چاہتا تو اس موقع پر حکم یہ ہے کہ انہیں تنگ کر کے، ستا کر اور جسمانی، روحانی اور ذہنی اذیت دے دے کر مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنا مہر یا کوئی اور واجبی حق یا خوشگوار دنوں میں شوہر کی طرف سے ملے ہوئے تحائف وانعامات وغیرہ سے (خلع کی شکل میں) دست برداری پر آمادہ ہو جائے، ایسا کرنا زمانہ جاہلیت کی سی روش ہے، اسلام اس کی اصلاح کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ
خَیْرًا كَثِیْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ
اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝ (النساء :19،20،21)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حِصّہ اُڑا لینا حلال ہے جو تم انہیں دے چکے ہو مگر یہ کہ وہ کسی صریح بدچلنی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم پسند نہ کرو مگر اللہ نے اسی میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کرو تو خواہ تم اسے ڈھیر مال دے چکے، اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لوگے؟ اور تم اسے کیسے لوگے جبکہ تم باہم لطف اندوز بھی ہو چکے اور وہ بھی تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔''

قرآن واحادیث کے مطابق ناموافق حالات میں طلاق اگرچہ جائز ہے مگر تمام جائز امور میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ زوج کا مال غصب کرنے کی نیت سے طلاق دینا اس کی کراہت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی شوہر بیوی کے صنفی جذبات اور فطری محبت سے منفی فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی ایسا مصنوعی عذر، مجبوری یا حاجت بیان کرے جس کے پیچھے نیت اور مقصد یہ ہو کہ وہ اسے مہر کی رقم معاف یا کم کر دے گی یا ہدیہ میں دیے گئے قیمتی زیورات اور دیگر اثاثے جواب اس کی ملکیت ہیں شوہر کے حوالے کر دے گی تو یہ نہایت ناپسندیدہ اور مکروہ فعل ہے اِلاّ یہ کہ واقعتاً شوہر کسی حقیقی مجبوری یا مفلسی کا شکار ہو اور بیوی خود اپنی خوشی سے یہ احسان کرے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دعوتِ ولیمہ

دنیا بھر میں مختلف مذاہب کے لوگ شادی بیاہ کے مواقع پر نت نئی رسومات مناتے چلے آرہے ہیں جو بسا اوقات اِرد گرد بسنے والی اقوام کی رسومات کا ملغوبہ ہوتی ہیں۔ اسلام خالص دین ہے۔ آسانی اور سادگی اس کی صفت ہے۔ اس دین کے سچے پیروکار زندگی کے دیگر معاملات کی طرح اس نئے بندھن جیسے اہم معاملے میں بھی صرف سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کرنے کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی مختلف ازواج (جن میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ بھی تھیں) کے ساتھ شادیوں میں ہمیں زیادہ سے زیادہ جو رسومات ملتی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:

☆ رخصتی کے لیے دلہن کو دولہا کے لیے تیار کرنا (مال اور وقت کے اسراف کے بغیر)۔

☆ دولہا، دلہن اور وہاں موجود حاضرین کو دودھ پیش کرنا۔

☆ نکاح اور رخصتی کے بعد دولہا کی طرف سے ولیمہ کرنا۔

ولیمہ کرنا سنت ہے۔ یہ وہ دعوت وضیافت ہے جس کا اہتمام دولہا یا اس کے گھر والوں کی طرف سے اپنی مالی استطاعت کے بقدر اور خوشدلی سے ہونا چاہیے۔ حیثیت سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا اور مقروض ہونے پر غمزدہ ہو کر بیٹھ رہنا کوئی عقلمندی نہیں۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ان پر زردی کا نشان تھا۔ آپؐ نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ انہوں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا،''مہر کیا دیا؟'' انہوں نے کہا، 'گٹھلی برابر سونا' آپؐ نے فرمایا،''اچھا! ولیمہ تو کرو خواہ ایک بکری کا سہی۔'' (عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان دنوں مالی طور پر خوشحال تھے) (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف ازواج سے نکاح کے بعد کھجور، پنیر، آٹا یا ستو کا ملیدہ بنا کر حتیٰ کہ دو مُد جَو سے بھی ولیمہ کیا۔ آپؐ نے سب سے بڑا ولیمہ زینبؓ سے نکاح کے بعد کیا، جس میں آپؐ نے مہمانوں کو ایک بکری کا گوشت کھلایا۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

دعوت قبول کرنا

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''جب کوئی تم میں سے ولیمہ کی دعوت میں بلایا جائے تو وہ اس میں ضرور شریک ہو۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''اگر میں بکری کا کُھر کھانے کے لیے بلایا جاؤں تب بھی میں چلا جاؤں اور اگر کوئی بکری کا کُھر تحفہ میں مجھے دے تو بھی میں قبول کرلوں۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''جو شخص ظلم سے کہیں قید ہو اس کو چھڑاؤ اور دعوت قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

البتہ جن دعوتوں یا محفلوں میں اسلامی شعائر کو نشانۂ تضحیک بنایا جا رہا ہو، غیر اسلامی رسوم اور دیگر ممنوعات کا مظاہرہ کیا جا رہا ہو، وہاں میزبان سے معذرت کر لینی چاہیے۔ اسی طرح دوسرے غیر شرعی کام یا حرام اشیاء کے اہتمام والی ضیافتوں اور دعوتوں مثلاً ناچ گانا، تصویر کشی، مقابلۂ حسن، شراب نوشی، آتش بازی وغیرہ سے بھی بچنا چاہیے۔

ان تمام خرافات کے پیچھے دراصل دولت کی ریل پیل کا دکھاوا، نسب کی بڑائی اور عہدہ کے فخر و تکبر جیسی نفسانی خواہشات کارفرما ہوتی ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

''نبی ﷺ نے باہم فخر جتانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔'' (سنن ابوداؤد، ح:3193)

دعوتِ خاص و عام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''برا ولیمہ وہ ولیمہ ہے جس میں کھانے کے لیے مالدار لوگ بلائے جائیں اور محتاج لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو شخص دعوت (بلا عذر) ترک کرے، اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے، آپؐ نے فرمایا،''ولیمہ کے کھانوں میں سے بدترین کھانا وہ ہے جس میں آنے کے خواہشمندوں کو نہ بلایا جائے اور انکار کرنے والوں کو بلایا جائے...''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کثرتِ ازواج اور ازدواجی زندگی

اِرشاداتِ رب کریم:

... فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً ... (النساء:3)

... ''تو جو خواتین تم کو پسند آئیں ان میں سے دو، تین یا چار سے نکاح کرو پھر اگر اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے، تو ایک ہی (کافی ہے)...۔''

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝ (الروم:21)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، یقیناً اس میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ ... (النساء:34)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس صالح عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں، مردوں کی عدم موجودگی میں اللہ کے تحفظ میں مردوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں...''

مردوں کے لیے انصاف کی شرط کے ساتھ ایک سے چار تک نکاح کرنا، آپس میں محبت و سکون سے رہنا اور بحیثیت قوام بیویوں کی ضروریات پر خرچ کرنا، ان احکامات میں ایسے فضائل پوشیدہ ہیں جنہیں اگر کھلے دل سے قبول کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ حکمت والے رب نے ہی انہیں انسانوں کے لیے مشروع فرمایا ہے، تو ان کے اثرات خوشگوار طریقے سے نہ صرف انفرادی اور خاندانی زندگیوں بلکہ پورے اسلامی معاشرے کو خیر و بھلائی کے دائرے میں سمو لیتے ہیں۔

عہد نبوی کی تجدید

دورِ نبوت سے لے کر آج تک بہت سے ادوار گزر جانے کے باوجود مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر نمونہ سامنے نہیں آیا۔ قرآن کے طریقے پر نبی کریم ﷺ نے اور پھر ان کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے عمل کر کے دکھایا تو ایک ایسا بہترین معاشرہ معرضِ وجود میں آیا جو ''اساطیر الاولین'' یا ماضی کی بھولی بسری داستانیں نہیں بنا بلکہ آج بھی کل کی طرح تازہ، مثالی اور قابلِ تقلید ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، ان شاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کبھی بھی پرانے اور قابلِ تجدید نہیں ہوتے۔ ایسی بات ہوتی تو ہر جدید دور میں نیا قرآن نازل ہوتا۔ بہرحال جس نے پیدا کیا، اسی نے زندگی گزارنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا۔ یہ اور بات ہے کہ آج کا انسان اپنی عجلت پسند طبیعت اور کم فہم بصیرت کی بنا پر ان احکامات کے فوری اور ظاہری نتائج پر ہی نظر رکھتا ہے حالانکہ ان پر عمل کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کے دُوررس اور مفید اثرات و نتائج سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ اعتدال پسند دین ہے اسی لیے بہت سی دیگر اصلاحات کی طرح مرد و زن کے نکاح کے حوالے سے بھی انسانی رویّوں کو معتدل راستہ دکھایا گیا۔ یعنی اسلام سے پہلے مردوں کی حرم میں بیک وقت کئی کئی خواتین رہتی تھیں۔ یہ **افراط** تھی۔ آج **تفریط** ہے اور اس کے درمیان اسلام نے میانہ روی کا اسلوب سکھایا۔ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کو حکم ہو گیا کہ کوئی سی چار

جنہیں رکھنا پسند کرو، رکھو، باقی سب کو طلاق دے دو۔ جن کے پاس مفلسی یا غریب الوطنی کی وجہ سے کوئی بیوی نہ تھی یعنی وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کی لیکن ان کے گھر والوں نے اسلام قبول نہ کیا اور وہ اکیلے ہجرت کر کے آئے۔ ان سے ان مطلقہ خواتین کے نکاح (عدت کے بعد) کرا دیے گئے۔ کفو کو عام حالات میں پسندیدہ قرار دیے جانے کے باوجود حسب نسب کا، مالدار غریب کا، زوجین کی عمر کی کمی بیشی کا اور شکل وصورت کا امتیاز مٹایا گیا۔ فوقیت وفضیلت کی بنیاد تقویٰ قرار دی گئی۔

ایک سے چار تک بیویاں رکھنے میں اگرچہ عورت کی فطری غیرت کی وجہ سے کبھی کبھار مسائل ہو جایا کرتے تھے، مگر ان مسائل کے مقابلے میں فضائل زیادہ نظر آتے تھے۔ اسی حوالے سے مطالعہ کرنے کے بعد نبی معظم ﷺ اور ان کے اصحابؓ میں معزز ومکرّم شخصیات کی خاندانی اور ازدواجی زندگیوں کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ چشمِ تصور میں کچھ یوں منعکس ہوتی ہیں۔

☆ عرب معاشرے میں اسلام سے بھی پہلے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا اس لیے وہاں پہلی بیوی یا بیویوں کو نو بیاہتا بیوی کا آنا عجیب یا معیوب نہیں لگتا تھا۔ پھر جب اسلام آیا اور مردوں کو بیویوں کے حقوق کی عادلانہ تقسیم کا حکم تنبیہ کے انداز میں سنایا گیا تو پھر ازدواجی زندگی میں کوئی بیوی اس میں حرج یا تنگی محسوس نہیں کرتی تھی، نہ وہ اس بات پر زچ ہوتی کہ اس کو مطلع کیے بغیر شوہر نے نئی شادی کیوں کر لی۔ بلکہ اس موقع پر دعاؤں کے تبادلے ہوتے تھے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زینبؓ سے نکاح کے بعد ولیمہ کی دعوت کی تو مسلمانوں کو خوب فائدہ پہنچایا (پیٹ بھر کر کھانا کھلایا)۔ پھر جیسے آپؐ کی عادت تھی، نکاح کے بعد باہر نکلے اور دوسری بیویوں کے حجروں پر تشریف لائے اور ان کو دعا دینے لگے، وہ بھی آپ ﷺ کو دعا دینے لگیں، پھر لوٹ کر زینبؓ کے حجرے پر گئے......۔" (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 5154)

جن مسلمان اقوام میں ایک سے زیادہ نکاح کرنا معروف نہیں وہاں اگر کوئی اس سنت پر عمل کرنا چاہے تو پہلی بیوی کو اعتماد میں لے کر بتا دینا بہتر ہے تاکہ آئندہ گھریلو حالات اور پہلی بیوی سے تعلقات خوشگوار رہیں، نیز وہ ناپسندیدہ قرار دیے جانے یا بے رخی برتے جانے کے احساسات کا شکار نہ ہو۔ اسی طرح نئی آنے والی سے بھی یہ چھپانا درست نہیں کہ وہ مرد پہلے سے شادی شدہ ہے۔

نکاح انبیاءؑ کرامؑ کی سنت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ..

(الرعد: 38)

"اور آپ (ﷺ) سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو بھی ہم نے بیوی بچوں والا بنایا ...۔"

حدیثِ رسول ﷺ ہے: "بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جو کوئی میرے طریقے کو پسند نہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

☆ نئی بیوی نکاح میں آنے سے پہلے اس قسم کی شرط نہیں لگاتی تھی کہ پہلی کو فارغ کریں تب وہ اس کے نکاح میں آئے گی، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

"کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ (اپنے نکاح کے لیے) اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے اور اس کا برتن خالی کر دے، اس کی تقدیر میں جو کچھ ہے، اسے مل جائے گا۔"

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 5152)

☆ ایک سے زیادہ بیویاں شوہر کی نظر میں بہتر مقام بنانے کے لیے ایک دوسری سے بڑھ کر اطاعت شعاری اور خدمت گذاری کا مظاہرہ کرتیں اور گھر بار، اپنے بچوں اور خود کو بھی بنا سنوار کر رکھتیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

"بہترین بیوی وہ ہے جس کی طرف تم دیکھو تو وہ تمہیں خوش کر دے اور جب تم کسی بات کا حکم دو، تو بجا لائے اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے۔"
(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب النکاح، حدیث: 2633)

☆ گھر داری اور شوہر کی خدمت کا کام بٹ جانے کی وجہ سے سب ازواج کو وقت میں کافی گنجائش مل جاتی، جس کی وجہ سے کوئی زوج اگر لکھنا پڑھنا جانتی تو وہ دین کی درس وتدریس کا حلقہ قائم کر لیتی۔ اس سے خاندان بھر کے، بلکہ آس پڑوس کے بچے بچیوں کا بھی فائدہ ہوجاتا اور علم کی بنیاد پر ایمان اور اعمال کی اصلاح کا کام جاری رہتا۔ کوئی دوسری زوج اگر کسی قسم کا ہنر جانتی تھیں تو وہ اسے ذریعہ آمدنی بناتیں اور نہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی معاشی حالت بہتر بنانے کی کوشش کرتیں بلکہ صدقات وخیرات کا بھی شوق پورا کرتیں۔ لیکن یہ سارا عمل گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ (الاحزاب: 33،34)

"اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی سی سج دھج اختیار نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ تم اہلِ بیت سے آلودگی دور کریں اور تم کو پوری طرح پاک کریں اور تمھارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوا کرتی ہے اس کو یاد رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ باریک بین، خبر رکھنے والے ہیں۔"

علم وحکمت کی باتیں سیکھنے سکھانے کی اہمیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"دو قسم کے انسانوں پر رشک کیا جائے، وہ انسان جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا اور اس کو اس کے صحیح خرچ کرنے پر مسلط کر دیا اور دوسرا وہ انسان جس کو اللہ نے علم وحکمت عطا فرمائی تو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث: 73)

سیدنا علیؓ بن ابی طالب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ" (التحریم: 6) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "خیر اور بھلائی کی باتیں خود بھی سیکھو اور اپنے اہل وعیال کو بھی سکھاؤ۔" (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب التفسیر، حدیث: 3785)

☆ مرد کو کسی بیوی کی کوئی عادت پسند نہ ہوتی تو وہی خوبی وہ دوسری بیوی میں پا کر مطمئن رہتا، لہٰذا نفرتوں تک نوبت نہ پہنچتی اور گھر کا ماحول پرامن رہتا اور زندگی پرسکون گزرتی۔ یوں سب ہی خوش رہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

...وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ... (النساء: 19)

"...اور ان عورتوں کے ساتھ بخوبی گزران کیا کرو۔"

اس موضوع پر چند احادیثِ رسول ﷺ ہیں:

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے اچھا ہے۔"
(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب البر والصلۃ: 7435)

"جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے جب کوئی معاملہ درپیش ہو تو بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے اور عورتوں کے حق میں خیر وبھلائی کی بات قبول کیا کرو۔..." (صحیح مسلم، کتاب النکاح)

"کوئی مومن کسی ایمان والی عورت سے نفرت نہ کرے، اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے

خوش مزاجی کا حاصل خوشگوار زندگی

زہریؒ سے مروی ہے کہ ابودرداء نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تم مجھے غصہ میں دیکھو تو تم مجھ کو (اپنی محبت اور نرمی سے) ٹھنڈا و خوش کر دیا کرنا اور جب میں تم کو غصہ میں دیکھوں گا تو میں بھی تم کو ٹھنڈا اور خوش کر دیا کروں گا (اس طرح ہماری زندگی بہت شیریں اور الفت سے گزرے گی) ورنہ ہم اکٹھے زندگی بسر نہ کر سکیں گے۔ (العقد الفرید، جلد: 7، صفحہ: 113)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تو دوسری پسند آ جائے گی۔'' (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، حدیث: 3645)

''نبی اللہ ﷺ نے کسی خادم یا عورت کو کبھی نہیں مارا۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الادب: 4786)

☆ خانگی زندگی کے بہت سے شعبے ایک سے زیادہ عورتوں میں تقسیم ہو جانے سے مرد کو اپنی بیرونی ذمہ داریاں نبھانے کا بہترین موقع مل جاتا۔ اور یوں یہ مومن بیویاں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کرنے والے شوہر کی مددگار ثابت ہوتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بہترین مال ذکر الٰہی کرنے والی زبان اور شکرگزار دل اور نیک بیوی ہے جو ایمان پر مومن کی اعانت کرتی ہے۔'' (سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، حدیث: 3094)

☆ سفر جو اس زمانے میں دشوار گزار، لمبے اور تھکا دینے والے تھے، کسی شخص کو پیش آتے تو پورے خاندان کو لے جانے کی بجائے قرعہ کے ذریعے کسی ایک بیوی کو ساتھ لے جایا جاتا، یوں ہر بار ایک ہی خاتون کو زحمت نہ کرنی پڑتی۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان (کسی ایک کے لیے) قرعہ ڈالتے۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 2593)

☆ کبھی ایک بیوی بیمار ہو جاتی، خصوصاً حیض یا نفاس کے دنوں میں، تو مرد دوسری بیوی سے اپنی فطری خواہش پوری کر سکتا تھا، البتہ قیام اسی زوجہ کے ہاں ہوتا جس کی اس روز باری ہوتی بسا اوقات باہمی افہام وتفہیم کی بدولت ایک عمر رسیدہ بیوی اپنی باری بھی دوسری کو ہبہ کر دیتی۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سودہؓ بنت زمعہ نے اپنی باری کا دن عائشہؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ سودہؓ کے دن بھی عائشہؓ کے ہاں رہتے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث: 2593)

☆ ایک سے زیادہ بیویاں نکاح میں آ جانے سے مال و اولاد اور رزق میں برکت ہوتی اور ایک مضبوط اکائی کی مانند زندگی گزارنے والے خاندان گہما گہمی اور رونق کا گہوارہ نظر آتے۔

جس زوجہؓ کے ہاں نبی کریم ﷺ کے قیام فرمانے کی باری ہوتی، معمول تھا کہ وہیں آپؐ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کی کل ازواجؓ جمع ہو جاتیں۔ گھڑی دو گھڑی بیٹھتیں، بات چیت کرتیں، آپؐ بھی خوش طبعی اور دل لگی کی باتیں کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ آپؐ رات کا کھانا بھی تناول فرماتے پھر سب اپنے اپنے گھر چل پڑتیں اور آپؐ وہیں آرام فرماتے جہاں باری ہوتی۔

(بحوالہ صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: 3628۔ بحوالہ ابن کثیر)

☆ عمر میں برابری (کفو) کے علاوہ بڑی عمر کے مرد سے چھوٹی عمر کی لڑکی کا نکاح، اور بڑی عمر کی خاتون سے کم عمر مرد کا نکاح بھی ہو جایا کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے خدیجہؓ، سودہؓ اور اُم سلمہؓ نہ صرف پہلے سے بیوہ تھیں، بلکہ عمر میں بھی آپؐ سے بڑی تھیں، جبکہ عائشہؓ سے نکاح فرمایا تو وہ کنواری تھیں اور عمر میں آپؐ سے کئی برس چھوٹی تھیں۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب النکاح)

☆ خوب صورت کے ساتھ ساتھ قبول صورت خواتین بھی ایک سے چار تک بیویاں رکھنے کے شرعی رواج کی وجہ سے کسی نہ کسی کی زوجیت میں آ جاتیں۔ بلوغت کے بعد کسی کو والدین کے گھر میں نہ بیٹھا رہنے دیا جاتا۔

اس کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

1) لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کا پاس تھا اور ''بے نکاح کا نکاح کر دو'' والے حکم پر عمل کیا جاتا تھا۔

> حدیثِ رسول ﷺ ہے، ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور دولت کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، حدیث: 6543)

2) زوج کے چناؤ میں دینداری کے عنصر کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً؛ شکل وصورت، دولت، حسب نسب وغیرہ کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا۔ مندرجہ ذیل احادیث یہی سبق دیتی ہیں:

''دنیا کی جن تمام چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ان میں سب سے زیادہ فائدے کی چیز نیک عورت ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، حدیث: 3649)

''ان چار باتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے؛ اس کا مال، حسب، جمال اور اس کا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دین، پس تم دین والی کو ترجیح دے کر کامیابی حاصل کرو۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث :5090)

3) لڑکی کے والدین خوب سے خوب تر رشتہ کی تلاش میں لڑکیوں کو گھروں میں بٹھا نہ رکھتے تھے، اللہ پر بھروسہ کر کے اور لڑکے کے اخلاقِ حسنہ کو پرکھ کر رشتہ باندھ دیتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مومنوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں جن کا اخلاق اچھا ہو اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔'' (جامع ترمذی، کتاب الرضاع، حدیث : 1162)

ایک اور موقع پر فرمایا:

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہو اور میں تم سب میں سے اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہوں۔'' (جامع ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، حدیث : 3895)

4) جہیز، بری کے لیے کوئی اہتمام یا مطالبہ نہ کیا جاتا، یہی وجہ تھی کہ کوئی بچی والدین کی دہلیز پر بوڑھی نہ ہو پاتی، نہ ہی جہیز مہیا نہ کر سکنے والے والدین کسی پریشانی سے دوچار ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

''اللہ عزوجل سے ڈرنے والوں کے لیے مال دار ہونے میں کوئی حرج نہیں البتہ ان ڈرنے والوں کے نزدیک تندرستی، مالدار ہونے سے زیادہ بہتر ہے اور اطمینانِ قلب (اس سے بھی بڑھ کر) بڑی نعمت ہے۔'' (مشکوٰۃ)

5) مردوں کی دیگر معاشی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے خواتین ہلکے مہر پر بھی نکاح کے لیے راضی ہو جاتیں۔ سیدنا عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(مہر کے اعتبار سے) بہترین نکاح وہ ہے جو آسان ہو۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح :2117)

☆ کنواری کے علاوہ بیوہ کو بھی بیاہنے کی بدولت معاشرے میں تحفظ حاصل ہو جاتا، دونوں کو خانگی زندگی میں بیک وقت مساوی حقوق حاصل ہوتے۔ ثیّبہ (پہلے سے شادی شدہ) سے

نکاح ثانی کے بعد (قسمت کی ماری یا بے آسرا کے طور پر) امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ جو عورت نکاح میں آ جاتی، وہ اور اس کا خاندان اس شخص کی عزت کی علامت ہو جاتے۔ اس کے رہن سہن، نفقہ اور دیگر ازدواجی حقوق کا استطاعت اور وسعت کے مطابق خیال رکھا جاتا۔

حدیثِ قدسی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ابنِ آدم! تو خرچ کرتا رہ، میں تجھ کو دیے جاؤں گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النفقات)

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا، ''جب مسلمان اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے تو اس کا شمار کیا جائے گا اور وہ اس پر صدقہ کا ثواب پائے گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النفقات)

نبی ﷺ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کی بیماری میں نصیحت اور دعا فرمائی:

''....جو کچھ تم خرچ کرو وہ تمہارے لیے صدقہ ہے یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کی طرف جو لقمہ اٹھاتے ہو وہ بھی۔ اور اللہ تمہارا درجہ بلند کرے! تمہاری وجہ سے کچھ (مسلمان) لوگوں کو فائدہ پہنچے اور دوسرے (کافر) لوگوں کو نقصان پہنچے۔'' (صحیح بخاری، کتاب النفقات)

''سیدہ جویریہؓ جو قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں جنگی اسیروں میں لونڈی بن کر آئی تھیں، وہ مکاتبت کے بدلے نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں۔ حرمِ نبویؐ میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرامؓ نے قرابتِ نبویؐ کا پاس کرتے ہوئے وہ تمام اسیران بھی رہا کر دیے جو ان سب کو مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے تھے۔ ابنِ اسیرؒ کا یہ بیان ہے کہ اس موقع پر بنو مصطلق کے تقریباً سو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

اس واقعہ سے متعلق سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں، ''میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلے کے لیے باعثِ رحمت نہیں پایا۔'' (ابنِ اثیر، بحوالہ تذکارِ صحابیات)

☆ بسا اوقات کوئی ثیبہ نکاحِ ثانی کے بعد (سابقہ مرحوم شوہر سے ہونے والی) اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرنا چاہتی تو دوسرا شوہر بخوشی اجازت دے دیتا۔ اس مقصد کے لیے معاملات، حالات

کے مطابق ، نکاح سے پہلے بھی طے کر لیے جاتے تھے ۔ نکاح کے لیے زوجین کے مابین طے کیے جانے والے جائز اور خیر و نیکی کے امور سے متعلق معاملات یا شرائط کی حیثیت عہد و پیمان جیسی ہوتی ہے، جن کی پابندی کرنا اچھے مسلمان کا فرض ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا،''سب شرطوں میں جن کو تم پورا کرتے ہو ان شرطوں کا پورا کرنا زیادہ ضروری ہے جن کی وجہ سے تم نے عورتوں کی شرمگاہ اپنے اوپر حلال کی (یعنی جن شرائط پر نکاح کیا)۔''

(صحیح بخاری، کتاب الشروط)

اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پہلے شوہر ابوسلمہؓ (جب زندہ تھے تو) ایک روز وہ میرے پاس نبی ﷺ کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی کہنے لگے :

'آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ یہ کہ:

جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے :۔

اَللّٰھُمَّ أجُرۡنِیۡ فِیۡ مُصِیۡبَتِیۡ وَاَخۡلُفۡ لِیۡ خَیۡرًا مِنۡھَا

''اے اللہ! میری اس مصیبت میں مجھے اجر دیجیے اور مجھے اس سے بہتر عطا فرمایئے۔''

تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتے ہیں۔'

اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ تب میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔ جب ابوسلمہؓ کی وفات ہوئی تو میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ بول کر پھر یہ (مذکورہ) دعا بھی پڑھ لی۔ لیکن مجھے یہ خیال بھی آیا کہ بھلا ابوسلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون سا مل سکتا ہے؟

پھر جب میری عدت پوری ہو چکی تو میں ایک روز بیٹھی ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے، کھال رکھ دی اور آپؐ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپؐ کو ایک گدی پر لا بٹھایا۔

تب آپ ﷺ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

© ALHUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

میں نے عرض کیا،'یا رسول اللہ! یہ تو میرے لیے بے حد خوش نصیبی کی بات ہے لیکن اوّل تو میں بڑی غیرت والی عورت ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں کہیں عذاب ہو، دوسرا یہ کہ میں بڑی عمر کی ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں۔

نبی اللہ ﷺ نے فرمایا،'' سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔''

میں نے یہ سن کر کہا،' پھر مجھے کوئی عذر نہیں'۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے سابقہ شوہر ابوسلمہ سے بھی بہترین شخص یعنی اپنا رسول (ﷺ) عطا فرمائے'۔ (مسند احمد، کتاب باقی مسند الانصاد، حدیث: 25448)

☆ اگر ان بچوں کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو یہ دوسرا شوہر نیکی اور ثواب جان کر ان کی مدد کرتا اور بچے بھی جیسے جیسے بڑے ہوتے اس شخص کے لیے عزت و برکت کا باعث ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے:

...... وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی ۖ ...... (المائدہ:2)

''نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو'

نبی کریم ﷺ نے فرمایا،''مسلمان سب مل کر ایک دوسرے پر رحم کرنے، لطف و کرم کرنے اور مہربانی برتنے میں ایک جسم کی طرح ہیں، جیسے جسم میں ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم ہی اس پر بے چین ہو کر بے خوابی اور بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب)

☆ ایک بیوی کی اولاد نہ ہوتی تو وہ دوسری کے بچے اسی فطری محبت اور چاہت سے پالتی، بلکہ بسا اوقات کوئی مرد ثیّبہ سے نکاح اس لیے بھی کرتا کہ وہ اس کی پہلی بیوی کی وفات کے بعد اس کے بچے یا والدین کی وفات کے بعد اس کے بہن بھائی سنبھالنے میں اس کی مدد گار ثابت ہو۔

جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد (جنگِ احد میں) شہید ہوئے اور سات بیٹیاں

© ALHUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(میری بہنیں) چھوڑ گئے تو میں نے ایک ثیّبہ سے نکاح کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ (جب مجھ سے ملے تو) پوچھنے لگے، ''جابر! کیا تم نے نکاح کیا ہے؟''

میں نے کہا، 'جی ہاں'

آپ ﷺ نے فرمایا:

''کنواری سے یا ثیّبہ سے؟''

میں نے کہا، 'ثیّبہ سے'

آپ ﷺ نے فرمایا:

''کنواری سے کیوں نہ کیا،

وہ تجھ سے دل لگی کرتی تو اس سے دل لگی کرتا' وہ تیرے ساتھ ہنستی تو اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا۔''

> **رفیقۂ حیات**
>
> **خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنيَا ... يا ... فِتْنَةً اَضَرَّ**
>
> احادیثِ رسول ﷺ
>
> ''دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح)
>
> ''میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔'' (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

میں نے عرض کیا، 'یا رسول اللہ! میرے والد عبداللہؓ وفات پا گئے اور بیٹیاں چھوڑ گئے اور میں نے ان جیسی ایک لڑکی بیاہ کر لانا مناسب نہ سمجھا بلکہ ایک ایسی عورت سے بیاہ کیا جو ان بچیوں کی خبر گیری کرے اور ان کی اصلاح (تربیت) کرتی رہے۔' تو آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت و بھلائی عطا فرمائیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب النفقات، حدیث: 5367)

بچوں کے لیے عورت کے محبت اور شفقت والے برتاؤ کا پسندیدہ ہونا اس حدیث سے بھی عیاں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو بچوں پر نہایت شفقت اور مہربانی کرنے والیاں اور اپنے شوہروں کے مال و دولت کی محافظ و امین ہوتی ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث : 5082)

☆ شوہر کسی وجہ سے کسی ایک بیوی کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتا تو کوئی دوسری بیوی اس کے بارے میں مثبت گواہی دے دیتی۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

واقعۂ افک میں امّ المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش (جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بھی تھیں) کی حقیقی بہن سیدہ حمنہؓ بنت جحش بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئیں تھیں۔ لیکن جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے سیدہ عائشہؓ کے کردار و خصائل سے متعلق رائے لی تو انہوں نے انتہائی سچائی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا، ''میں عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتی ہوں۔''

(بحوالہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث :4750)

☆ اسی طرح شوہر کسی زوجہ سے اس کی کسی نادانی کی بنا پر ناراضگی کا اظہار کرتا تو وہ زوجہ کسی دوسری زوجہ سے سفارش کروا کر اسے راضی کرا لیتی۔

''امّ المومنین سیدہ صفیہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ سفر میں صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا اور سب لوگ آگے نکل گئے۔ نبی کریم ﷺ کو جب معلوم ہوا تو وہ واپس صفیہؓ کی طرف پلٹے۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ آپؐ جیسے جیسے انہیں چپ کراتے وہ اور بھی زیادہ روتی جاتیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، ''اگر تم رونے سے نہ رکی تو ہم آگے نہیں جائیں گے۔''

اور یہ کہہ کر وہیں پڑاؤ ڈال دیا، اور صفیہؓ سے (مصلحتاً) خاموشی اختیار کی۔

سیدہ صفیہؓ آپ ﷺ کی خفگی دیکھ کر عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا، 'آپ تو جانتی ہیں کہ میں کسی بھی معاوضہ کے بدل پر اپنی باری کا دن نہیں دیا کرتی۔ لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں آج اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔'

سیدہ عائشہؓ نہ صرف اس کام کے لیے تیار ہو گئیں بلکہ انہوں نے زعفران میں رنگا ہوا ایک دوپٹہ نکالا اور اس پر پانی چھڑکا تاکہ وہ مہک جائے۔ پھر اسے اوڑھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، ''عائشہ یہ تمھاری باری کا دن نہیں ہے۔''

عائشہؓ بولیں، 'یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ پھر تمام واقعہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپؐ کو سنایا اور آپؐ صفیہؓ سے راضی ہو گئے۔'' (مسند احمد، کتاب باقی مسند الانصار)

☆ ایثار اور اتفاق کی بدولت بعض اوقات ایک بیوی دوسری کو اپنے حق میں سے تفویض کرنے کو تیار ہو جاتی۔

امّ المومنین سودہؓ نہایت رحم دل اور صالح خاتون تھیں۔ نبی اللہ ﷺ جب سیدہ عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں لائے تو سیدہ سودہؓ کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ مجھے یہ آرزو ہے کہ میں جنت میں آپؐ کی بیویوں میں شریک رہوں اور دنیا میں آپؐ کی منکوحہ ہی رہوں البتہ میں اپنی باری عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں۔ ان کے اس ایثار کو عائشہؓ نے خوشی سے قبول کیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، حدیث: 3237، متفق علیہ)

اوامر (Do's) اور نواہی (Don't) کے پانچ زمرے ہیں:

فرض :...... لازم کے درجے پر ہے۔

مستحب :...... ایسا کام جس کے کرنے کی ترغیب دی گئی اور اسے کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہو، لیکن وہ کام فرض نہ ہو۔

مباح :...... جائز، یعنی جسے کرنے کی اجازت ہو۔

مکروہ :...... ایسا کام جسے کرنا اچھا تصور نہ کیا جاتا ہو اور جس کے کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہو۔

حرام :...... ایسا کام جس کی اجازت نہ ہو اور جس کا کرنا بالکل سختی سے منع ہو۔

کثرت ازواج مباح کے تحت آتا ہے۔ یعنی ایک ایسا کام جس کی اجازت تو ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسلمان جس کی دو، تین یا چار بیویاں ہوں، ایک بیوی رکھنے والے کسی دوسرے مسلمان سے بہتر ہے۔ البتہ حتی المقدور کوشش سے عدل کی شرائط پر (جو انتہائی کٹھن کام ہے) پورا اترا جائے تو کامیابی کے امکانات ہیں۔

کثرتِ ازواج بشرطیکہ عدل

عہد نبوی ﷺ کے حوالے سے ازواجی زندگی کا جو خاکہ سامنے آیا وہ آج ایک خواب اس لیے لگتا ہے کہ قوموں کا مزاج، ہر دور کے معاشی اور معاشرتی تقاضوں کے زیر اثر بدلتا رہتا ہے۔ غالباً اسی لیے کثرتِ ازواج کو اللہ عزوجل کی طرف سے فرض یا واجب قرار نہیں دیا گیا، بلکہ رخصت دی گئی ہے اور جیسا کہ پچھلے صفحات پر بھی بیان ہوا کہ تاکید کے ساتھ شرط یہ لگا دی ہے کہ:

... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ... (النساء: 3)

''...زوجین کے مابین عدل اور مساوات قائم کرو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر ایک ہی کافی ہے...''

مزید ارشاد فرمایا:

... فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ... (النساء: 129)

''...ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو اُدھر لٹکتا چھوڑ دو...''

اسی معاملے کو نبی کریم ﷺ نے مزید تنبیہ کے طور پر یوں بیان فرمایا:

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف بالکل جھک گیا تو قیامت میں وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوگا۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: 1867)

اس کے برعکس اہلِ خانہ میں عدل کرنے والے خوش نصیبوں سے متعلق آپؐ نے فرمایا:

''یقیناً اپنے فیصلوں میں، اپنے گھر والوں میں اور جس چیز کے بھی ذمہ دار بنا دیے جائیں اس میں عدل کرنے والے انصاف پسند لوگ اللہ کے ہاں نور کے منبروں (نسائی کی ایک روایت میں موتیوں کے منبروں) پر اس کے دائیں طرف ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔''

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: 4721، سنن نسائی، کتاب آداب القضاۃ، حدیث: 5381)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نبی کریم ﷺ اپنی ازواجؓ کے مابین خرچ، مکان، سکونت (قیام) اور سفر میں ہمراہ لے جانا وغیرہ میں برابری وانصاف کا خیال رکھا کرتے تھے، البتہ اُنس ومحبت کے بارے میں فرماتے:

''اے اللہ! جن چیزوں پر آپ نے مجھے قدرت دی، ان میں یہ میرا انصاف ہے اور جو چیزیں میرے اختیار میں نہیں ان کے معاملے میں مجھے اپنی رحمت سے دور نہ فرمانا۔'' (سنن ابوداوٗد، کتاب النکاح)

سکونت کے لیے گھر شوہر کی ذمہ داری

ایک سے زائد بیویوں کو رہن سہن کے لیے حیثیت کے مطابق الگ گھر، یا گھر کے اندر ہی الگ پورشن مہیا کرنا شوہر کا فرض ہے۔ البتہ وہ آپس میں رضامند ہوں تو موافقت سے ایک ہی گھر میں بھی رہ سکتی ہیں۔

تعدّدِ ازواج کے سلسلے میں عدل گویا ایک ایسی پابندی ہے جو خواہش پرستی اور ضرورت کے درمیان حد متعین کرتی ہے تاکہ عدل کی غیر موجودگی میں تعدّدِ ازواج ضرورت سے محض خواہش نہ بن جائے۔ اور پھر خواہشات ضرورت ہی نہ بن جائیں۔ بہر حال تعدّدِ ازواج کو عموماً ان دونوں وجوہات میں سے کسی ایک کی بنا پر ہی اپنایا جاتا ہے۔ اب ان پر قدرے تفصیلاً غور کرتے ہیں:

خواہش

* دولت کی بہتات ہے اور حرم میں نئی نئی عورتیں لانا اور نکالنا دل پسند مشغلہ ہے۔
* شہوانی طلب کو بے لگام کر رکھا ہے، ایک بیوی سے گزر نہیں۔
* پہلی سے ناپسندیدگی یا نفرت پیدا ہوگئی ہے، لیکن ازواجی زندگی میں اصلاحات لانے یا خرابیوں کا سدّباب کرنے کی کوشش کی بجائے نئی بیوی لانے کی دھن سوار ہے، حالانکہ اصلاح کے بغیر دونوں بیویوں کے مابین غیرت جیسے فتنے کا ایک اور باب کھل جانے کا اندیشہ بھی ہے اور خود مرد کے لیے بھی ایک اور بگاڑ میں پھنس جانے کا امکان ہے۔
* کسی قوم یا قبیلے میں اس کا نسل در نسل (بغیر خواہش وضرورت) محض رواج ہے۔
* فخر جتانا اور منفرد نظر آنا اصل مُدّعا ہے۔

ضرورت

* مالی وجسمانی استطاعت اور عدل وانصاف کی نیت رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے اور مندرجہ ذیل حدیث کی محبت میں اولاد بڑھانا چاہتا ہے:

''........ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔'' (مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین: 12152۔ طبرانی، کتاب العین: 5256)

* پہلی بیوی کسی بیماری مثلاً استحاضہ یا طویل دورانیہ والے حیض وغیرہ کی مریضہ ہے۔
* پہلی بیوی بانجھ پن سے یا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے، وغیرہ۔
* کسی شخص کا تعلق گاؤں سے ہے، وہیں اس کے بزرگ والدین، عزیز، رشتہ دار وغیرہ رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں اس کے مکان، کھیت کھلیان، مویشی سب کچھ ہے مگر اس کی ملازمت شہر میں ہے۔ کبھی اسے گاؤں، کبھی شہر میں رہنا ہوتا ہے۔ پیچھے گاؤں میں بھی انتظام داری کے لیے بیوی کی ضرورت ہے اور شہر کے رہن سہن اور گھر بار وغیرہ کو سنبھالنے کے لیے بھی عورت کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایسے لوگ اکثر دو بیویاں کر لیتے ہیں اور دونوں خاندانوں کی کفالت کا سلسلہ کامیابی سے چلتا رہتا ہے۔

ان کا تعلق عموماً دور دراز پہاڑی علاقوں میں رہنے والے اس طبقے سے ہے جو پڑھ لکھ جاتا ہے اور شہروں میں بھی ملازمت یا کاروبار وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہے، اور گاؤں بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔

* سالہا سال سے جنگوں کی زد میں آنے والے علاقوں یا ملکوں کے مرد تعداد میں عورتوں کی نسبت بہت کم رہ جائیں تو:

(1) اس کمی کو پورا کرنے کے لیے نسل بڑھانا،

(2) بہت سی عورتیں رہ جانے سے معاشرے میں کسی ممکنہ فتنے سے بچاؤ کے لیے،

(3) عورتوں کو نکاح کی گرہ میں عفت والی زندگی اور تحفظ فراہم کرنے کے لیے،

تعدّدِ ازواج ناگزیر ہوجاتی ہے۔

قربِ قیامت میں مَردوں کی کمی، عورتوں کی کثرت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''قیامت کی نشانیوں میں یہ ہے: (قرآن وحدیث) کے علم کا اُٹھ جانا، جہالت پھیل جانا، زنا کی کثرت، شراب نوشی کی کثرت، مردوں کی کمی، اور عورتوں کی اکثریت یہاں تک کہ پچاس پچاس عورتوں کا سنبھالنے والا ایک مرد ہوگا۔'' (صحیح بخاری کتاب النکاح، حدیث: 5231)

کامیابی کے لیے مشترکہ کوشش

ایک سے زیادہ بیویوں والے خاندان میں اگر مرد کی طرف سے عدل وانصاف برتنا کامیاب ازدواجی اور خاندانی زندگی کی شرط ہے تو دوسری طرف اس کامیابی میں بہت سا حصہ ان بیویوں کی کوشش کا بھی ہے جو آپس میں تعلقات کو بہتر سے بہتر رکھنے اور روایتی رقابتوں سے بچنے کے لیے ایثار، احسان، برداشت، درگزر، اتفاق، وسعت قلب اور ہر طرح کے حسنِ سلوک سے کام لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خصوصاً اس خاندان کے بچوں کی بھی احسن اخلاقیات وآداب کے ساتھ پرورش و پرداخت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ سوتیلے رشتوں میں بچے بھی بہت حد تک ماحول کے زیر اثر ہوتے ہیں لہٰذا یہ سارے کا سارا عمل اللہ کے خوف اور اس کی محبت کی بنیاد پر جاری رہتا ہے۔

خوف اور محبت کی یہ آمیزش انسان کے انتہائی اندر سے اَنا (مَیں) کو نکال باہر کرتی ہے۔ تمام منفی جذبات اور احساسات اور ایسے رویّے مثلاً تکبر، حسد، رقابت، جھوٹ، دورخاپن، خودغرضی، غیبت، بہتان، چغلی، غیرت، غصہ وغیرہ سب اسی اَنا کی پیداوار ہیں۔ دراصل مسلمان کے اخلاق کا پیمانہ آپس کے معاملات میں خودغرضی اور مطلب پرستی سے بالاتر دوسرے ''پہلے'' اور اپنا مفاد

''بعد'' میں کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے۔ یہی وہ راز ہے جسے پالینے اور اسے عملی طور پر اختیار کرلینے والے انسان کو؛

(1) وقتی لذتوں کی بجائے پائیدار اور دائمی خوشی ملتی ہے،

(2) عارضی اور سطحی قرار کی بجائے گہرا اور دلی سکون نصیب ہوتا ہے،

(3) جھوٹے وقار کی بجائے سچی، خالص اور دیرپا تکریم حاصل ہوتی ہے،

یہ تمام مثبت نتائج نہ صرف زندگی میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی پیچھے چھوڑے ہوئے اچھے آثار واثرات کی صورت میں ان کا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ .. (یٰسٓ: 12)

''بیشک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے اور ہر اس عمل کو لکھتے جاتے ہیں جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم محفوظ کرتے ہیں جو وہ چھوڑ جاتے ہیں''

مختصر یہ کہ یوں تو دنیا میں آنے والے آتے ہیں، جتنا جینا مقدر میں لکھا ہے، جیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ شب وروز سب یہی دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ البتہ ذرا مستقبل کی نگاہوں سے دیکھیں، جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا اور ہماری وہ نسلیں ہوں گی جنہوں نے ہمیں کبھی دیکھا تک نہیں ہوگا، لیکن ہوسکتا ہے اس وقت ہمارا چھوڑا ہوا عمل ان کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو یا ہماری کہی ہوئی حکمت بھری ایک بات ہی صدائے بازگشت بن کر قیامت تک نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جائے، بالکل ایسے ہی جیسے ہم کسی محاورے، کہاوت یا روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ :۔

''یہ ہمارے دادا، نانا یا پہلے بزرگ کہا کرتے تھے۔''

پھر ہم بھی ابھی سے ہی کیوں نہ ایسے کسی نہ کسی کارِ خیر کی تلاش وجستجو میں لگ جائیں جو ہماری بعد کی نسلوں میں یادگار بنا رہے ...... اور یادگار بھی بمثلِ دکھاوا اور ریا نہیں بلکہ دوسروں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ومثال اور اللہ کے ہاں اجر کا استحقاق۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

خانگی نیکیوں کے حوالے سے آیئے دیکھتے ہیں ایسے کون کون سے خانے ہیں جنہیں پُر کیا جاسکتا ہے :۔

- ☆ دوسروں کی فطری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرنا،
- ☆ انجانے میں یالاپرواہی سے ہوجانے والی دوسروں کی غلطیوں، کوتاہیوں کونظرانداز کرنا اوران کی تشہیروتحقیر کی بجائے انہیں مہلت دینااوران کی رہنمائی کرنا،
- ☆ اپنی غلطیوں پرمعذرت کرلینا، خواہ دوسرے میں درگذر کرنے کاظرف ہو، نہ ہو،
- ☆ خیرخواہی اوراصلاح طلب امور میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہنا،
- ☆ باہمی مشوروں میں دوسروں کی رائے کااحترام کرنااوران سے خوش گمان رہنا،
- ☆ جوکام دوسرے کے بس کانہ ہو، اس پرلعن طعن کی بجائے اُسے ایسے کام کی طرف متوجہ اورراغب کردیناجواس کی صلاحیت کے عین موافق ہو،
- ☆ اپنے اردگردوالوں کے لیے آسانیاں پیداکرنااوران کی کسی اچھی کارکردگی کا اعتراف بھی کرنا۔

احادیثِ نبویہؐ

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (صحیح بخاری، کتاب الادب: 6125)

”(لوگوں پر) آسانی کرواورمشکل میں نہ ڈالو، انہیں تسلی وتشفی دو اور نفرت نہ دلاؤ۔“

”اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کودیکھ کراللہ یادآئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کوکسی گناہ میں ملوث یاکسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلاکریں۔“ (مسند احمد)

”نیکی کے کسی بھی کام کوحقیر نہ سمجھو۔اگرچہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔“
(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: 6690)

خانگی اصلاحات

سوتیلے رشتوں مثلاً سوتیلے بچوں کے مابین، سوتیلی ماں اورسوتیلی اولاد کے مابین، سوتیلے باپ اورسوتیلی اولاد کے مابین اورخصوصاً سوکنوں کے مابین تعلقات میں عموماً جن خرابیوں کاامکان ہوسکتاہے ان کی اصلاح کے مدنظر یہاں ہم قرآن اوراحادیث میں بیان کردہ تنبیہات اورنصائح میں سے چندایک پرغور کرتے ہیں تاکہ اس ممکنہ بگاڑ کے لیے کچھ رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

جھوٹ

آیات : (1) **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ** o (الزمر: 3)

”بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کوہدایت نہیں دیتے جوجھوٹااورمنکرِحق ہو۔“

(2) **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا** o **يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ** ط .... (الاحزاب: 70,71)

”اے لوگوجوایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرواور بات سیدھی کیاکرو۔ (اللہ تعالیٰ) تمہارے کاموں کوسنواردیں گے اورتمہارے گناہ معاف فرمادیں گے۔“

احادیث: (1) ایک عورت نے عرض کیا، 'یارسول اللہ! میری ایک سوکن ہے۔اگرمیں اس کا دل جلانے کے لئے جھوٹ موٹ یہ کہوں کہ میرے خاوند نے مجھے فلاں فلاں چیز دی ہے جوحقیقت میں میرے شوہر نے مجھے نہیں دی توکیااس میں کوئی حرج ہے؟'

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جوچیز حاصل نہ ہواس پرفخرکرنے والااس شخص جیساہے جوجھوٹ رفریب کاجوڑا (دوسروں کے کپڑے) مانگ کرپہنے۔“ (صحیح بخاری، کتاب النکاح: 5219)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(2) ''صدقِ حقیقی نیکی کے مقام تک پہنچا دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور بالآخر ''صدیقین'' کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ جھوٹ ہر قسم کی بُرائی کا راستہ دکھاتا ہے، اور برائی آگ تک پہنچا کر رہتی ہے۔ انسان مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے، بالآخر اللہ تعالیٰ کے ہاں ''کذاب'' یعنی برے درجے کا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، حدیث: 6637)

دعا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ لِسَاناً صَادِقاً وَّ قَلْباً سَلِیْمًا (سنن نسائی، جامع ترمذی)

''اے اللہ! میں آپ سے سچائی والی زبان اور سلامتی والا دل مانگتا ہوں۔''

عربی مقولہ [صِدْقُ الْمَرْءِ نَجَاتُہٗ] سچائی ہی میں انسان کی نجات ہے۔

دو رُخا پن

(دوغلا پن یا منافقت)

آیات: (1) وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ لا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ o (البقرۃ: 14)

''اور جب اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لا چکے اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں (گمراہ کرنے والوں) سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں، ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔''

(2) ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ o تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ o یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ o (الشعراء: 223-221)

''کیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ ہر اس جھوٹے گناہگار پر اترتے ہیں جو سنی سنائی بات لا ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔''

احادیث: (1) ''دو رُخا پن والے وہ بدترین لوگ ہیں جو ایک کے پاس ایک چہرہ اور دوسرے

کے پاس دوسرا چہرہ لے کر جاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، حدیث: 7178)

(2) ''جو دنیا میں دو رُخا ہوگا، قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔''
(سنن ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث: 4873)

دعا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْٓءِ الْاَخْلَاقِ ۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

''الٰہی! بیشک میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں، مخالفت، منافقت اور برے اخلاق سے۔''

عربی مقولہ [طَرِیْقُ الْعَقْلِ وَاحِدٌ] عقل کا راستہ ایک ہی ہے۔

غیبت

(عیب جوئی، بدگمانی، فضول گوئی، مذاق اُڑانا اور ٹوہ لگانا بھی شامل ہیں)

آیات: (1) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ط اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ o (الحجرات: 12)

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور نہ دوسروں کے بھید کی جاسوسی کرو، اور نہ ہی کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے، رحم کرنے والے ہیں۔''

(2) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ج .. (الحجرات: 11)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں پر ہنسیں، ممکن ہے (جن پر وہ ہنستے ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں۔ نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑایا کریں، کچھ کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں.....''

احادیث: (1) ''اے وہ لوگو جو زبان سے تو ایمان لے آئے ہو مگر ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے! نہ مسلمانوں کی غیبت کرو، نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہا کرو، کیونکہ جو شخص کسی کے عیوب کی تلاش میں رہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب کو تلاش کریں گے اور اللہ جس کے عیب تلاش کریں تو اسے خود اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر کے رہیں گے۔'' (سنن ابوداؤد)

(2) ''جس نے کسی کا کوئی مخفی عیب دیکھا اور اس پر پردہ ڈالے رکھا تو یہ ایسا ہے جیسا کسی نے ایک زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچالیا۔'' (الجصّاص)

(3) ''کوئی ہدایت یافتہ قوم جب گمراہی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے تو وہ فضول جھگڑوں (مناظروں اور بحثوں) میں پڑ جاتی ہے۔'' (جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، حدیث: 3253)

(4) ''بدگمانی سے بچو! کیونکہ بدگمانی انتہا درجے کا جھوٹ ہے۔''

(صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب: 8، تعلیق)

دعائیں: (1) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اگر کوئی اپنے بھائی (یا بہن) کی غیبت کر بیٹھے تو اس کا کفارہ ہے، وہ یہ کہ جس شخص کی غیبت کی ہے، اس کے حق میں مسلسل دُعائے مغفرت کرے اور یوں کہے:

(مرد کے لیے) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَه‘.

(عورت کے لیے) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَھَا .

''الٰہی! ہماری اور اس کی مغفرت فرمایئے۔'' (سنن نسائی، کتاب الجنائز، حدیث: 1823)

(2) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ . اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ھَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ . (صحیح بخاری، کتاب الدعوات)

''الٰہی! بخش دیجیے میری خطا اور میری نادانی اور میرا کاموں میں زیادتی کرنا اور وہ بھی جو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، الٰہی! بخش دیجیے میرا ٹھٹھے کرنا اور گناہ جو قصداً کیے اور جو بھول چوک سے کیے یا جو جانتے ہوئے کیے اور یہ سب قصور مجھ سے ہوئے۔''

عربی مقولہ [سُکُوْتُ اللِّسَانِ سَلَامَۃُ الْاِنْسَانِ] خاموشی میں انسان کا بچاؤ ہے۔

بہتان

(الزام تراشنا، تہمت لگانا، مفروضے گھڑنا، کیچڑ اچھالنا، وغیرہ)

آیات: (1) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا o (الاحزاب: 58)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں تو دراصل وہ بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں۔''

(2) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ص وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o یَّوْمَ تَشْھَدُ عَلَیْھِمْ اَلْسِنَتُھُمْ وَاَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْھِمُ اللّٰہُ دِیْنَھُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ o (النور: 25-23)

''بے شک جو لوگ پاکدامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ملامت زدہ ہیں۔ اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔ جب کہ ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے تمام اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا بدلہ دیں گے اور وہ (لوگ) جان لیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سچے اور سچ کو ظاہر کر دینے والے ہیں۔''

(3) وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

أُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلاً o (الاسراء:36)

''اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو، جس کا تمہیں علم نہیں۔ یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب سے ضرور باز پُرس ہوگی۔''

احادیث: (1) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، 'غیبت کیا ہے ؟' آپؐ نے فرمایا:
''یہ کہ تم کسی شخص کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو۔''
اس نے عرض کیا، 'یارسول اللہ! اگر چہ میری بات حق ہو؟' فرمایا، ''ہاں، اور تیری بات باطل ہو تو یہی چیز پھر بہتان ہے۔'' (موطا امام مالک، کتاب الجامع، حدیث:233)

(2) ''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ بھلائی ہی کی بات کرے، یا پھر خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث:6018)

دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَزِلَّ اَوۡ اُزَلَّ . اَوۡ اَظۡلِمَ اَوۡ اُظۡلَمَ . اَوۡ اَجۡهَلَ اَوۡ یُجۡهَلَ عَلَیَّ . (سنن ابو داؤد)

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ کہیں میں پھسل جاؤں یا پھسلا یا جاؤں یا ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں یا نادانی کروں یا مجھ سے کوئی جہالت برتے۔''

عربی مقولہ [خَیۡرُ الۡکَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ] بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو۔

جھوٹی شکایتیں اور چغل خوری

(غلط فہمیاں پیدا کر کے فساد پھیلانا اور پھوٹ ڈلوانا)

آیت: (1) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ o (الحجرات:6)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو تاکہ تمہیں کسی قوم پر اپنی اس نادانی کے سبب اپنے کیے پر پچھتانا نہ پڑے۔''

احادیث: (1) ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مسلم، فی مقدمہ صحیحہ: 8)

(2) نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''جانتے ہو کہ عَضۃ کیا ہے؟... فساد پھیلانے کے لیے ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا۔'' (بیہقی فی سنن الکبری، کتاب الشہادت، حدیث:22159)

(3) ''بدترین لوگ وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں، اور دوستوں کے آپس کے تعلقات خراب کرتے ہیں۔'' (مسند احمد، کتاب مسند الشامین، حدیث:17312)

(4) ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث:6056)

دعا: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عَالِمَ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ کُلِّ شَیۡءٍ وَمَلِیۡکَهٗ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ . اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ وَشَرِّ الشَّیۡطٰنِ وَ شِرۡکِهٖ .
(سنن ابی دائود، کتاب الادب، حدیث:5067)

''اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے، پوشیدہ اور ظاہر چیز کے جاننے والے، ہر چیز کے رب اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، میں اپنے نفس کی شرارت اور شیطان کی شرارت اور اس کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں۔''

عربی مقولہ [قُلِ الۡحَقَّ وَلَوۡ عَلٰی نَفۡسِكَ] حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف پڑے۔

غصّہ

آیات: (1) خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ o وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ.. (الاعراف:199,200)

''معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو، اور اگر شیطان کی چھیڑ تمہیں (غصے پر) اُبھار دے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو...''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(2) وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ ... (اٰلِ عمران : 134)

''اور (متقی وہ ہیں) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں .. ۔''

احادیث: (1) ''پہلوان وہ نہیں جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث: 6114)

(2) ''جس نے غصے کو دبا لیا حالانکہ وہ غصہ نکالنے پر قادر تھا تو اللہ سبحانہٗ اسے سب مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہو پسند کر لو۔''

(سنن ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث: 4777)

علاج: (3) نبی ﷺ نے فرمایا: 'جب تم میں سے کوئی غصے میں ہو اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر غصہ جاتا رہے تو خیر ورنہ لیٹ جائے۔'' (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث: 4782)

(4) جسے غصہ آئے وہ '' اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ '' کہے۔ (صحیح بخاری)

دعا: اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْئَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضٰى وَالْغَضَبِ. (سنن نسائی، کتاب السھو، حدیث: 1306)

''اے اللہ! میں آپ سے غائب اور حاضر میں آپ ہی کی خشیت (ڈر) کا سوال کرتا/کرتی ہوں اور خوشی اور غصہ میں حق بات (کہنے) کا/کی بھی طالب ہوں۔''

عربی مقولہ [جِهَادُ النَّفْسِ اَفْضَلُ جِهَادٍ] جہاد بالنفس بہترین جہاد ہے۔

طعنہ زنی اور برے القاب

(نسب کا فخر جتانا بھی شامل ہے)

آیات: (1) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(الحجرات: 13)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

''اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ ورنہ اللہ کے ہاں تم میں بڑا شریف وہ ہے جو پرہیز گار ہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز جاننے والے، باخبر ہیں۔''

(2) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ (الھمزۃ: 1)

''ہلاکت ہے ہر عیب لگانے والے طعنہ زن کے لیے۔''

(3) وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الحجرات: 11)

''اور باہم طعنہ زنی نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان لانے کے بعد برا نام فسق ہے اور جو باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔''

احادیث: (1) ''... اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے زمانے کی نخوت، ریا اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو دُور (ختم) کر دیا ہے۔ انسان دو ہی طرح کے ہیں؛ پرہیز گار مومن یا بدبخت فاجر، تمام انسان ایک آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں۔'' (مٹی میں تواضع اور انکساری ہے۔ فخر و تکبر نہیں) (جامع ترمذی، کتاب المناقب، حدیث: 3956)

(2) ''تین باتیں جاہلیت (کے زمانہ) کی ہیں؛

(1) ستاروں سے قسمت معلوم کرنا (2) نسب پر طعن کرنا (3) میت پر نوحہ کرنا۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی، کتاب: 1، جز: 2، ص: 409)

دعائیں: (1) اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاخْلُفْ عَلَيَّ كُلَّ غَآئِبَةٍ لِّيْ بِخَيْرٍ. (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الدعا: 1831)

''اے اللہ! مجھے اپنی عطا کی ہوئی چیزوں پر قناعت اور برکت دیجیے۔ اور تمام نا میسّر (اور غائب) چیزوں پر خیر کے ساتھ میری نگہبانی اور حفاظت فرمائیے۔''

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(2) اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا.
(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاو التوبہ والاستغفار، حدیث: 6906)

''اے اللہ! میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری اور پاکیزگی عطا کیجیے، آپ ہی سب سے بہتر تزکیہ کرنے والے ہیں، آپ ہی اس کے کارساز اور مالک ہیں۔''

عربی مقولہ [حُسْنُ الْاَدَبِ یَسْتُرُ قُبْحَ النَّسَبِ] ادب کی خوبی نسب کی برائی کو چھپائے۔

حسد
(بغض، عناد)

آیات: (1) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ...
(النساء: 32)

''اور نہ تمنا کیا کرو اس چیز کی جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو....''

(2) اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ج.. (النساء: 54)

''کیا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس فضل پر جو اللہ نے انہیں عطا کر رکھا ہے... ۔''

احادیث: (1) '' صرف دو شخصوں کے لیے حسد (رشک) مباح ہے ؛
ایک جس کو اللہ نے مالدار بنایا اور اس مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دی، دوسرا وہ جسے اللہ نے علم و حکمت سے نوازا ہے، وہ خود بھی اس پر عمل کرتا اور لوگوں کو بھی سکھاتا ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث: 73)

(2) '' لوگوں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! سب سے بہتر کون ہے؟'

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ ﷺ نے فرمایا، ''مخموم القلب (صاف دل) اور سچی زبان والا''
عرض کیا گیا، 'سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں مگر یہ مخموم القلب کون ہے؟'
فرمایا، ''ہر صاف ستھرا، پرہیز گار جس میں نہ گناہ ہو اور نہ ظلم، نہ کینہ کپٹ ہو اور نہ حسد۔''
(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، حدیث: 4216)

علاج: معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس)

عربی مقولہ [لَیْسَ لِلْحَسُوْدِ رَاحَۃٌ] حسد کرنے میں کوئی سکون و راحت نہیں ہے۔

بُخل

(چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں بھی دوسروں کو عاریتاً دینے میں تنگ دلی دکھانا۔ مال، قوت، علم، صلاحیت، ہنر ہونے کے باوجود دوسروں کو دینے سے کتراتا)

آیات: (1) وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی o وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی o فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی o (اللیل: 8,9,10)

''......اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروائی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی، تو ہم بھی اس کو تنگی و مشکل کے سامان میسّر کر دیں گے......''

(2) وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ o
(المنافقون: 10)

''اور ہم نے جو رزق (ہر طرح کی نعمت و صلاحیت سمیت) تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے، پھر وہ یہ کہنے لگے کہ:
میرے پروردگار! کیوں نہ آپ نے مجھے کچھ اور مہلت دی کہ میں صدقہ، خیرات کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا۔''

(3) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ o وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ o (الماعون: 7-4)

'' تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، جو ان میں ریاکاری کرتے ہیں اور جو معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

احادیث: (1) '' بخل سے بچتے رہو کیونکہ اسی نے پہلے لوگوں کو برباد کیا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب، حدیث: 6576)

(2) ''سب سے نکما اور عاجز وہ ہے جو اپنے لیے اللہ سے دعا نہ مانگے اور سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے۔'' (ترغیب وترہیب، کتاب الادب، حدیث: 2714)

دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ . وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ . وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ . وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا . وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . (سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، حدیث: 5447)

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور بزدلی سے اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس سے کہ میں عمر کے ذلیل حصہ کی طرف لوٹایا جاؤں اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس دنیا کے فتنہ سے اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی قبر کے عذاب سے۔''

عربی مقولہ [ضِيْقُ الْقَلْبِ اَشَدُّ مِنْ ضِيْقِ الْيَدِ] دل کی تنگی ہاتھ کی تنگی سے زیادہ بُری ہے۔

تکبر

(خود پسندی، خودستائشی، دوسروں کو نیچا دکھانا، شیخی بگھاڑنا وغیرہ)

آیات: (1) وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا o كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا o (الاسراء: 37)

''تم زمین میں اکڑ کر مت چلو کیونکہ تم زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتے اور نہ ہی تن کر چلنے

سے تم پہاڑ کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ تمام باتیں تمہارے رب کے نزدیک بُری ہیں، ناپسندیدہ ہیں۔''

(2) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا o (النساء: 36)

''یقیناً اللہ تعالیٰ خود پسند (مغرور) اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں فرماتے۔''

(3) اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ o (الزمر: 60)

''کیا جہنم میں متکبرین کا ٹھکانہ نہیں ہے؟'' (ضرور ہے)

احادیث: (1) ''متکبر وہ ہے جو حق کو پس پشت ڈال دے اور لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھے۔''

(سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث: 4092)

(2) نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہوگا۔'' ایک آدمی نے سوال کیا، (لیکن) آدمی کو تو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں'

آپ ﷺ نے فرمایا'' بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 265)

دعا: (1) رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا . لَكَ ذَكَّارًا . لَكَ رَهَّابًا . لَكَ مِطْوَاعًا . لَكَ مُخْبِتًا . اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا . (سنن ترمذی، کتاب الدعوات، حدیث: 3551)

''اے میرے رب! مجھے ایسا بنا دیجیے کہ میں آپ کے لیے بہت شکر کرنے والا، بہت ذکر کرنے والا، آپ سے بہت ڈرنے والا، آپ کی بہت اطاعت کرنے والا، بہت عاجزی کرنے والا، بہت ہی گڑگڑانے والا، اور آپ ہی کی طرف رجوع کرنے والا ہو جاؤں۔''

عربی مقولہ [ثَمَرَةُ الْعُجْبِ الْمَقْتُ] تکبر کا انجام ہے، دشمنیاں پیدا کرنا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دعائیں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ

اللہ کی پاکی اور تعریف بیان کرتا ہوں، اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر

وَرِضٰی نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ

اوراس کی ذات کی خوشنودی کے موافق اوراس کے عرش کے وزن

وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ

اوراس کے کلمات کی سیاہی کے برابر

اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.
اَللّٰهُمَّ
بَارِکْ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

صبر پر مدد کے لیے قرآنی آیات اور دعائیں

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (التوبة: 51)

کہہ دیجئے کہ ہمیں اللہ کی طرف سے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے سوا کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہی ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے۔ اور مومنوں کو اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (یونس: 107)

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اُسے دُور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچاتا ہے اور وہ بڑی مغفرت، بڑی رحمت والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (هود: 6)

زمین پر چلنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی۔ سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔

وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاکُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (العنکبوت: 60)

اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنی روزی اُٹھائے نہیں پھرتے، ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، اور وہ ہر بات کا سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِکْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (فاطر: 2)

اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (هود: 56)

بیشک میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے، جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ جتنے بھی جاندار ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے۔ یقیناً میرا رب (ملتا) ہے صراطِ مستقیم پر۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (التوبة: 129)

اللہ مجھے کافی ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا توکّل ہے اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

...رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (الکهف: 10)

اے ہمارے رب! آپ ہمیں اپنی رحمتِ خاص سے نوازیے اور ہمارے معاملات میں ہمارے لیے درستگی مہیا فرمائیے۔

...رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ (القصص: 24)

اے میرے رب! بے شک میں ہر اس خیر کا محتاج ہوں جو آپ مجھ پر نازل فرما دیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

رنج وغم، بےچینی اور بےقراری دور کرنے کے لیے

...اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ... (یوسف: 86)

... بےشک میں اپنی پریشانی اور رنج وغم کی فریاد صرف اللہ سے کرتا ہوں ...۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحَانَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ (الانبیاء: 87)

کوئی معبود نہیں سوائے آپ کے (اے اللہ!)، پاک ہے آپ کی ذات، بےشک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. (صحیح بخاری، کتاب الدعوات)

اللہ کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیۡ لَا اُشۡرِکُ بِہٖ شَیۡئًا. (ابنِ ماجہ، جلد: 2، حدیث: 335)

اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں سمجھتا۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ، بِرَحۡمَتِکَ اَسۡتَغِیۡثُ. (جامع ترمذی، کتاب الدعوات: 3524)

اے زندۂ جاوید ہستی! اے کائنات کے منتظم! میں آپ کی رحمت کے وسیلہ سے فریاد کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ رَحۡمَتَکَ اَرۡجُوۡا فَلَا تَکِلۡنِیۡۤ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ وَّ اَصۡلِحۡ لِیۡ شَاۡنِیۡ کُلَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ. (سنن ابی داؤد، کتاب الادب: 5090)

اے اللہ! میں آپ کی رحمت کا امیدوار ہوں، آپ مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔ آپ خود ہی میرے تمام کام درست فرما دیجیے۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ الۡحَلِیۡمُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡکَرِیۡمِ. (صحیح بخاری، کتاب الدعوات: 6342)

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو بڑی عظمت والا، بردبار ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور مالک ہے عرشِ کریم کا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحَزَنِ وَالۡعَجۡزِ وَالۡکَسَلِ وَالۡبُخۡلِ وَالۡجُبۡنِ وَضَلَعِ الدَّیۡنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ. (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر: 2893)

اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر وغم سے، اور پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ زَوَالِ نِعۡمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ. وَمِنۡ فُجَآءَۃِ نِقۡمَتِکَ وَمِنۡ جَمِیۡعِ سَخَطِکَ. (صحیح مسلم، کتاب الرقاق: 6943)

اے اللہ! میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں آپ کی دی ہوئی نعمتوں کے زوال سے اور آپ کی عطا کردہ عافیت کے بدل جانے سے اور آپ کی سزا کے اچانک وارد ہو جانے سے اور آپ کی ہر قسم کی ناراضگی سے۔

÷÷÷÷÷÷÷÷

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کا اطمینان رکھیں۔" (سنن نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، حدیث: 4998)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

گم شدہ کی بازیابی کے لیے

وضو کر کے دو رکعت نماز نفل کے دوران تشہد میں یہ دعا پڑھی جائے۔

بِاسْمِ اللهِ يَا هَادِيَ الضَّآلِّ وَرَآدَّ الضَّآلَّةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِيْ بِعِزَّتِکَ وَسُلْطَانِکَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَآئِکَ وَ فَضْلِکَ. (ابنِ ابی شیبہ، جز 7، ص 116)

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے، اے راہ نہ پانے والے کو راہ دینے والے اور گم شدہ کو لوٹانے والے! اپنے غلبہ اور قوت سے میرے گمشدہ کو مجھے واپس لوٹا دیجئے، یہ آپ ہی کی عطا اور فضل سے ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَآدَّ الضَّآلَّةِ وَهَادِيَ الضَّآلَّةِ اَنْتَ تَهْدِيْ مِنَ الضَّآلَّةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِيْ بِقُدْرَتِکَ وَ سُلْطَانِکَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَآئِکَ وَفَضْلِکَ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب 3، جز 10، ص 476)

اے اللہ! گمشدہ کو لوٹانے والے، بھٹکنے والے کو راہ دینے والے! آپ ہی بھٹکے ہوئے کو راہ پر لاتے ہیں میرے گمشدہ کو اپنی قدرت وطاقت سے واپس لوٹا دیجئے، یہ آپ ہی کی عطا اور فضل سے ہے۔

اللہ کی خاطر مساکین سے محبت کے لیے دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُ اِلٰى حُبِّکَ.

(جامع ترمذی، کتاب من تفسیر القران، باب من سورۃ ص)

اے اللہ! میں آپ سے نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے کا اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ آپ مجھے بخش دیں اور مجھ پر رحم فرمائیں اور اگر آپ کا ارادہ کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنے کا ہو تو مجھے اس فتنے سے بچا کر موت دے دینا، اور میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو آپ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت کا جو مجھے آپ کی محبت کے قریب کر دے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دعائے استخارہ

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دعائے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورۃ ہو اور فرماتے کہ تم میں سے کوئی کسی (مباح) کام کا قصد کرے تو دو رکعتیں (نماز) ادا کرے پھر یہ دعا کرے اور هٰذَا الْاَمْر کی جگہ اپنے کام کو بیان کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِيْمِ. فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِکْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ. (صحیح بخاری، کتاب الدعوات)

اے اللہ! بیشک میں آپ ہی سے خیر چاہتا ہوں، آپ کے علم کے ساتھ اور آپ کی قدرت کے ساتھ اور میں سوال کرتا ہوں آپ سے آپ کے بڑے فضل کا، یقیناً آپ ہی قدرت رکھتے ہیں اور میں اختیار نہیں رکھتا اور آپ جانتے ہیں، میں نہیں جانتا۔ تمام غیب کے علم کو سب سے بڑھ کر جاننے والے آپ ہی ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرے لیے اس کام میں بھلائی ہے، میرے دین، میری دنیا، اور میرے انجام (کے حوالے سے) تو اس کو میرے لیے آسان کر دیجیے، اور اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے دین، میری دنیا اور میرے انجام کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کو مجھ سے پھیر دیجیے اور مجھے اس سے پھیر دیجیے، اور میرے مقدر میں خیر کر دیجیے جس میں بھی ہو پھر مجھے اسی پر راضی رکھیے۔

: : : : : : : :

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمایئے،
بیشک آپ سننے والے، جاننے والے ہیں۔
امین، یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ!

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کتابیات

(اس کتاب کی تیاری کے لئے درج ذیل کتب سے مدد لی گئی)

اُمّ الکتاب (القرآن الکریم)

المعجم المفہرس	محمد فواد عبدالباقیؒ
تفسیر ابنِ کثیر	حافظ عماد الدینؒ ابوالفداء ابن کثیر الدمشقی (بیروت)
انوار البیان	مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ بلندشہری مہاجر مدنی
فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ
تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ
تفسیر حقانی	علامہ ابومحمد عبدالحق حقانیؒ دہلوی
صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ
صحیح مسلم	امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیریؒ (الدار العربیہ)
مؤطا امام مالکؒ	امام مالکؒ بن انسؒ
مسند امام احمد	امام احمدؒ بن حنبل
سنن ابوداؤد	امام ابوداؤدؒ سلیمانؒ بن اشعث سجستانی
جامع ترمذی	علامہ بدیع الزمانؒ بن مولانا مسیح الزمان
سنن ابنِ ماجہ	محمدؒ ابوعبداللہؒ ابن ماجہ القزوینی
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن نسائیؒ
الادب المفرد	امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری
سنن بیہقی	ابوبکر احمدؒ بن الحسین بن علی البیہقی
المعجم للطبرانی	سلیمانؒ بن احمد الطبرانی

المغنی والشرح الکبیر	الشیخ شمس الدینؒ ابوالفرج ابن قدامہ
کنز العمّال	علی متقیؒ
مشکوٰۃ المصابیح	امام ولی الدین محمدؒ بن عبداللہ الخطیب العمری
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
ریاض الصالحین	امام محی الدینؒ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی
منہاج المسلم	ابوبکرؒ جابر الجزائری
درسِ حدیث	ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور
زادِ راہ	مولانا جلیل احسن ندویؒ
سیرتِ عائشہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ
ارشاداتِ نبویؐ	چوہدری نذر محمدؒ
سیرُ الصحابیاتؓ	مولانا سعید انصاریؒ
حبیب کبریاؐ کے تین سو اصحابؓ	طالب الہاشمیؒ
تذکارِ صحابیات	طالب الہاشمیؒ
حیاۃ الصحابہؓ	مولانا محمد یوسف کاندہلویؒ
اسلامی خطبات	مولانا عبدالسلام بستویؒ، مولانا عبدالرشید بستویؒ
اسلام میں حلال و حرام	علامہ یوسف القرضاویؒ
خواتین کی دلچسپ معلومات اور نصائح	قاسم عاشورؒ
فقہ النساء	محمد عطیہ خمیسؒ
حصن حصین	امام شافعیؒ
الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ
مخزنِ اخلاق	علامہ رحمت اللہ سبحانی لدھیانویؒ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آخری خطبہ

نو(9) ذوالحجہ، دس(10) ہجری، بمطابق مارچ سنہ 632ء کو نبی کریم ﷺ عرفات میں قصوٰی (اونٹنی) پرسوار ہوکر ایک پہاڑی پر چڑھے اور ڈیڑھ لاکھ افراد کے مجمع سے خطبہ ارشاد فرمایا (جس میں یہ بھی فرمایا)، ”۔۔۔۔اے لوگو! اپنی بیویوں سے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیویاں بنایا اور اسی کے کلام کی گواہی کے ساتھ تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر غیر مرد کو نہ آنے دیں۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔۔۔“

یہ خطبہ آخری نبی اللہ ﷺ کا آخری خطبہ تھا۔

اس حج کے گیارہ ہفتے بعد نبی کریم ﷺ چودہ (14) روز بیمار رہے اور بارہ (12) ربیع الاوّل کو وفات سے قبل مرض اور درد کی شدت میں یہ فرماتے تھے:

”اے اللہ! موت کی سختی پر میری مدد فرما اور اسے میرے لیے آسان کر۔“

سہ پہر کا وقت تھا، سینہ مبارک میں سانس گھڑگھڑا رہی تھی۔ اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے اور سننے والوں نے سنا:

” اَلصَّلَاۃَ اَلصَّلَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ “

”نماز، نماز اور (اور اللہ سے ڈرو ان کے بارے میں) جو بھی تمہارے زیرِ دست ہیں“

آپؐ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔ (بحوالہ کتاب الرحیق المختوم و سنن ابوداؤد، کتاب الادب: 5137)

پڑھیئے اور پڑھائیے

الھدیٰ پبلی کیشنز کی مطبوعات

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پڑھیئے اور پڑھائیے

الھدیٰ پبلی کیشنز کی مطبوعات

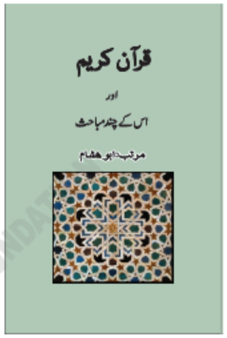

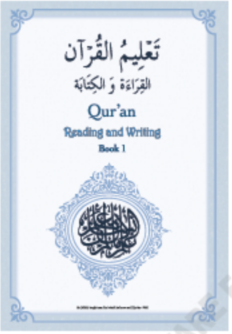

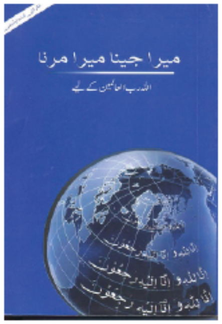

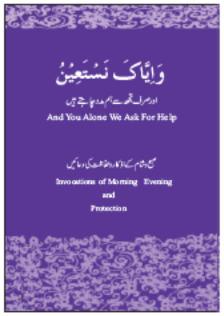

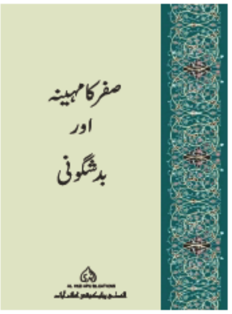

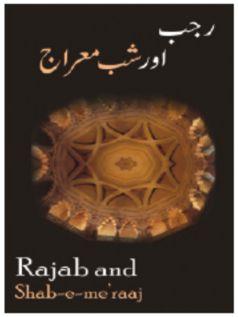

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION